نوائے اُردو

NAWA-E-URDU

برائے دسویں جماعت (تیسری زبان)

FOR CLASS X (THIRD LANGUAGE)

بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان، اجمیر

ek/;fed f'k{kk cksM] jktLFkku] vtesj

نوائے اُردو

NAWA-E-URDU

برائے دسویں جماعت (تیسری زبان)

FOR CLASS X (THIRD LANGUAGE)

بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان، اجمیر

ek/;fed f'k{kk cksMZ jktLFkku] vtesj

نوائے اُردو

Nawa-E-Urdu

برائے دسویں جماعت (تیسری زبان)

FOR CLASS X (THIRD LANGUAGE)

مرتّبین

ڈاکٹر معین الدین شاہیؔن (کنوینر)

Dr. Moinuddin 'Shaheen'
(Convener)
P.G. Deptt. of Urdu
Govt. Dungar College, Bikaner

ڈاکٹر شاہد الحق چشتی

Dr. Shahidul Haque Chishty
(Principal)
Govt. Higher Secondary School
Gagwana (Ajmer)

محمد سلیم سلاوٹ

Mohammad Saleem Silawat
Senior Teacher (Retired)
Deptt. of Education, Rajasthan
Nagaur

فہیم الدین

Faheemuddin
(Senior Teacher Urdu)
Govt. Higher Secondary School
Hamirgarh, Bhilwara

بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان، اجمیر

ek/;fed f'k{kk cksMZ jktLFkku] vtesj

کمیٹی برائے ترتیبِ درسی کتاب

کتاب : نوائے اُردو Nawa-E-Urdu

برائے دسویں جماعت (تیسری زبان)

FOR CLASS X (THIRD LANGUAGE)

کنوینر

ڈاکٹر معین الدین شاہین

Dr. Moinuddin 'Shaheen'

(Convener)

P.G. Deptt. of Urdu

Govt. Dungar College, Bikaner

اراکین

ڈاکٹر شاہدالحق چشتی

Dr. Shahidul Haque Chishty

(Principal)

Govt. Higher Secondary School, Gagwana (Ajmer)

محمد سلیم سلاوٹ

Mohammad Saleem Silawat

Senior Teacher (Retired)

Deptt. of Education, Rajasthan, Nagaur

فہیم الدین

Faheemuddin

(Senior Teacher Urdu)

Govt. Higher Secondary School Hamirgarh, Bhilwara

عہد (ifrKk)

بھارت میرا دیش ہے۔ سبھی بھارتی میرے بھائی بہن ہیں۔ میں اپنے دیش سے محبت کرتا/کرتی ہوں۔ مجھے اس کے کثیر اور گونا گوں سرمایے پر فخر ہے۔ میں اس کے لائق ہونے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتا رہوں گا/کرتی رہوں گی۔

میں اپنے والدین، اساتذہ اور سبھی بزرگوں کی عزت کروں گا/کروں گی۔ اور ہر شخص کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤں گا/آؤں گی۔

میں اپنے دیش اور دیش کے باشندوں کے تئیں وفادار رہنے کا عہد کرتا/کرتی ہوں۔

میری خوشی صرف ان کی خوشحالی اور بہبودی میں ہی ہے۔

دو لفظ

طالبِ علم کے لیے درسی کتاب منظّم مطالعے اور مبصّرانہ صلاحیت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔مواد اور طریقۂ تعلیم کی رو سے درسی کتاب کے معیار کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ درسی کُتب کو دقیق (مشکل) اور محض مدح و قدح کی مثال نہیں بنانا چاہیے۔درسی کتاب آج بھی درس و تدریس اور طریقۂ تعلیم کا ضروری اور اہم ذریعہ ہے۔جسے ہم نظرانداز نہیں کر سکتے۔

گذشتہ کچھ برسوں سے مادھیمک شکشا بورڈ، راجستھان کے نصاب میں لسّانی اور تہذیبی اقدار کی نمائندگی کی کمی شدّت سے محسوس کی جا رہی تھی۔تاہم صوبائی حکومت نے نویں جماعت سے بارہویں جماعت تک کے طلبا و طالبات کے لیے بذریعہ مادھیمک شکشا بورڈ راجستھان، اپنا نصاب مرتب کر کے نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔اسی کے مطابق بورڈ نے درسی کتب، تسلیم شدہ نصاب کے مطابق تیار کرائی ہیں۔امید ہے کہ یہ کتب طلبا و طالبات میں فکر و تدبّر اور اظہارِ خیال کی صلاحیت کے روشن مواقع فراہم کریں گی۔

پروفیسر بی۔ایل۔چودھری

صدر

مادھیمک شکشا بورڈ راجستھان اجمیر

پیش لفظ

پیش نظر کتاب ''نوائے اُردو'' بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان، اجمیر کے زیر اہتمام دسویں جماعت کی اردو بطور تیسری زبان (Third Language) کے لیے تسلیم شدہ نصاب کے مطابق مرتّب کی گئی ہے۔

یہ کتاب اردو بطور تیسری زبان کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرتّب ہونے کے سبب سادہ و سلیس زبان میں لکھے گئے اسباق و منظومات پر مشتمل ہے۔ ان مشمولات میں ہندوستانی تہذیب، تمدّن اور صالح اقدار کی جھلک موجود ہے۔ ہمارا یہ بھی مقصد ہے کہ طلبا و طالبات میں اُردو کے تئیں دلچسپی کا جذبہ بیدار ہو اور تعلیم کے ساتھ تربیت بھی حاصل ہو۔

طلبا کی سہولت اور آسانی کے لیے ہر سبق کے مصنف کے حالاتِ زندگی، سبق کا مختصر تعارف اور مشکل الفاظ کے معنی شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تسلیم شدہ نصاب کے مطابق مختصر ترین، مختصر اور تفصیلی سوالات سبق کے آخر میں پیش کیے گئے ہیں۔ نصاب کی ضرورت کے مطابق مضمون نگاری، عرضی نویسی اور قواعد سے متعلق مستقل اسباق بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

قومی اقدار پر مبنی اور نصیحت آموز اسباق و منظومات کو شامل کرنے کے پسِ پشت یہ بھی مقصد ہے کہ ہمارے طلبا و طالبات میں قومی یکجہتی، انسان دوستی اور اپنی ثقافت سے محبت و عقیدت کا جذبہ بیدار ہو سکے۔

کتاب میں حتی الامکان صحت متن اور حسن طباعت کا لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ زیر نظر کتاب صوبہ راجستھان کے طلبا و طالبات کی تعلیم و تربیت میں معاون ثابت ہوگی۔

مُرتّبین

فہرست

حصّۂ نثر

نمبرشمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
☆	دولفظ	پروفیسر بی۔ایل۔چودھری	i
☆	پیش لفظ	مرتّبین	ii
☆	اسباق		
۱	اپنی مدد آپ	سرسید احمد خاں	2
۲	وقت	ڈپٹی نذیر احمد	10
۳	امتحان کی تیاّری	مرزا فرحت اللہ بیگ	17
۴	نوشیروان عادل	مولانا اسماعیؔل میرٹھی	25
۵	ابوّخاں کی بکری	ڈاکٹر ذاکرحسین	34
۶	بیگم حضرت محل	ڈاکٹر معین الدین شاہیؔن	41
۷	فدائے وطن : شہید عبدالحمید	ڈاکٹر معین الدین شاہیؔن	49
۸	ایک تندرستی ہزار نعمت	محمد صادق	61
۹	حبّ الوطنی	محمد صادق	66
۱۰	قصہّ میاں ایٹم کا	شاہد اختر خان	71

۱۱	قواعد:تعریف مع مثال (الف)فعل،فاعل،مفعول (ب)محاورے اور کہاوتیں (ج)مترادف اور متضاد الفاظ (د)رموزِ اوقاف (س) مضمون نویسی،عرضی نویسی، خطوط نویسی	فہیم الدین	79

حصّۂ نظم

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار/ شاعر	صفحہ نمبر
۱	چند اہم اصنافِ سخن(غزل،نظم،مرثیہ، مثنوی)	ڈاکٹر شاہد الحق چشتی	104
۲	حمد باری تعالیٰ	داغؔ دہلوی	110
۳	نعت شریف	بہزادؔ لکھنوی	115
۴	عیدالفطر	نظیرؔ اکبرآبادی	119
۵	محنت کرو	مولانا محمد حسین آزادؔ	124
۶	پرندے کی فریاد	علاّمہ اقبالؔ	129
۷	کمزور کی مدد	حفیظؔ جالندھری	134

۸	بہادر بنو	سورج نرائن مہرؔ	138
۹	تعلیمِ نسواں	خداداد خاں مونسؔ	142
۱۰	جشنِ آزادی	مخمورؔ دہلوی	148
۱۱	ہمارا راجستھان	پریم شنکر شری واستو	153
۱۲	غزلیات		
	(الف) میر تقی میرؔ		161
	☆ اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا	میر تقی میرؔ	163
	☆ فقیرانہ آئے صدا کر چلے	میر تقی میرؔ	164
	(ب) مرزا غالبؔ		168
	☆ درد منّت کش دوا نہ ہوا	مرزا غالبؔ	170
	☆ بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	مرزا غالبؔ	171

حصّہٴ نثر

سرسیّداحمدخاں

سرسیّداحمدخاں ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ءکودہلی میں پیدا ہوئے۔ان کے والدکا نام میر متّقی اور والدہ کا نام عزیز النساءبیگم تھا۔سرسید کی والدہ نہایت مذہبی،خوش سلیقہ اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔سرسید کی ابتدائی تربیت والدہ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ان کے بزرگ شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور مغل سلطنت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔۱۸۳۸ء میں سرسید دہلی میں سررشتہ داری کے عہدے پر سرکاری ملازم ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس عہدے سے ترقی کر کے صدر امین کے عہدے تک پہنچے۔بہادر شاہ کے دربار سے سرسید کو' عارف جنگ جوادالدولہ'' کا خطاب ملا۔سرسید نے ۱۸۶۹ء میں انگلستان کا سفر کیا اور وہاں سے لوٹ کر ۱۸۷۰ء میں رسالہ'' تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔انہوں نے غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اس سوسائٹی میں بہت سی اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرایا گیا اور سائنس پر لیکچر دلائے گئے۔اسی سوسائٹی کے زیرِ اہتمام اخبار'' سائنٹفک گزٹ'' جاری کیا گیا۔سرسید نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ۱۸۵۷ء میں مدرسۃ العلوم قائم کیا جو ۱۸۷۷ء میں'' محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں تبدیل ہو گیا اور ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی بنا۔سرسید کا انتقال ۱۸۹۸ء میں علی گڑھ میں ہوا۔

سرسید احمد خاں ایک بلند پایہ مصنف،مفکر،مصلح اور مدبر تھے۔انہوں نے اردو نثر سے تصنع اور مشکل پسندی کو دور کیا اور آسان عام فہم زبان میں خیالات کا اظہار کیا۔اسی وجہ سے انہیں جدید اردو نثر کا بانی سمجھا جاتا ہے۔سرسید نے' آثار الصنادید'،' تاریخ سرکشی بجنور'،' اسباب بغاوتِ ہند'،خطباتِ احمدیہ' وغیرہ تصانیف لکھی ہیں۔

مضمون ''اپنی مدد آپ'' سرسید کا بہت مشہور مضمون ہے۔اس مضمون میں سرسید نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جب یہ بہت سے شخصوں میں پایا جائے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔

سرسیّداحمدخاں

اپنی مدد آپ

خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جب کہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے جیسا کہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے یا اس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ غیرت جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے اور جب کہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے ۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں (یہ امر بدیہی اور لابدی ہے) کہ وہ اس قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اے میرے ہم وطن بھائیوں! کیا تمہارا یہی حال نہیں ہے؟

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اسی کے موافق اس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنسال میں آجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی وعمدگی اور قدر ومنزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق وعادات تہذیب وشائستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت ان مرد وعورت بچوں کی شخصی ترقی ہے جن سے وہ قوم بنی ہے۔

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی عزت، شخصی ایمانداری، شخصی ہمدردی کا اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خودغرضی کا اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی وتمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کردیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زورشور سے پیدا ہوجاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیز ہم وطنوں! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح عمدہ ہوتا کہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم وتربیت کا۔ بات چیت کا، وضع ولباس کا، سیر سپاٹے کا، شغل اشغال کا تمہاری اولاد کے لیے ہے اس سے ان کی شخصی چال چلن، اخلاق وعادات، نیکی وسچائی میں ترقی ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلا۔

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاویں گے تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاویں گے۔ اوروں پر بھروسہ اور اپنی مدد آپ یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو۔

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی

زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے و مدرستہ العلوم کی تعلیم اس عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے کام کا جس کو انگریزی میں ''لائف ایجوکیشن'' کہتے ہیں۔ انسان پر، قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں یا صندوق میں الماری میں یا کسی بڑے مکتب خانہ میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں، گھر کے رہنے سہنے میں، شہر کی گلیوں میں پھرنے میں، صرافہ کی دوکان کرنے میں، ہل جوتنے میں، کپڑا بننے کے کارخانہ میں، کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے اور پھر بے سکھانے اور بے شاگرد کیے لوگوں میں صرف اس کے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے۔

یہ پچھلا علم وہ علم ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے عمل، چال چلن تعلیم نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قومی مضبوطی، قومی عزت حاصل وہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے، اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عافیت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ ''علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل یعنی اس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے۔

کیا یہی وجہ ہے جو مدرستہ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرستہ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں؟

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
سلیقہ	تمیز،شعور
سایہ	سرپرستی، پرچھائی
فائز	مقرر، تعینات
رفتہ ـ رفتہ	آہستہ آہستہ
آزمودہ	پرکھا ہوا، آزمایا ہوا
فقرہ	عبارت کا ٹکڑا، جملہ
منحصر	موقوف، گھیرا ہوا
تہذیب	شائستگی، خوش اخلاقی
اخلاق	اچھا برتاؤ، ملنساری
تنزل	زوال، کمی
موافق	مناسب،مطابق، لائق
خیرخواہی	بھلائی چاہنا،خیراندیشی
شغل	مشغلہ، پیشہ
حاشا وکلّا	خدا کی پناہ،خدا نہ کرے

قوی	طاقتور
عافیت	سلامتی، بھلائی
تحصیل	حاصل کرنا، وصول کرنا
مشاہدہ	معاینہ
تجویز	رائے، صلاح
علیحدہ	الگ، جدا

مشقی سوالات

مختصرترین سوالات:

۱۔ مضمون ''اپنی مدد آپ'' کس نے لکھا ہے؟

۲۔ سرسید احمد خاں کہاں پیدا ہوئے؟

۳۔ خدا کن لوگوں کی مدد کرتا ہے؟

۴۔ لفظ 'خیر خواہی' کے کیا معنی ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ شخصی ترقی کی بنیاد کیا ہے؟

۶۔ قومی تنزل کون سی باتوں کا مجموعہ ہے؟

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے دو۔ دو مترادف لکھیے۔

سایہ۔ عافیت۔ تجویز۔ علیحدہ۔

۸۔ اس مضمون میں قوم اور گورنمنٹ میں کیا مناسبت بتائی گئی ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ سرسید احمد خاں نے مضمون ''اپنی مدد آپ'' میں کیا پیغام دیا ہے؟

۱۰۔ سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی تحریر کیجیے۔

۱۱۔ قومی ترقی کیسے ممکن ہے؟ بتائیے۔

۱۲۔ سرسید احمد خاں نے اردو کی ترقی کے لیے کیا کام کیے؟

ڈپٹی نذیر احمد

ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔آپ کی پیدائش ۱۸۳۶ء میں ضلع بجنور کے موضع ریہڑ میں ہوئی۔مولوی سعادت علی ان کے والد تھے۔انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔آپ نے مولوی عبدالخالق سے تعلیم حاصل کی۔دہلی کالج میں فلسفہ، ریاضی اور انگریزی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

نذیر احمد نے مدرس کے طور پر ملازمت شروع کی۔پھر کانپور میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔۱۹۱۲ء میں دہلی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

آپ نے دو درجن کے قریب کتابیں لکھیں جو معاشرہ کی اصلاح کی غرض سے خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔مراۃ العروس، بنات النعش، توبتہ النصوح، ابن الوقت اُن کے مشہور ناول ہیں۔

آپ نے کلام پاک کا اردو میں ترجمہ کیا اور ''انڈین پینل کوڈ'' کا بھی اردو میں ترجمہ ''تعزیرات ہند'' کے نام سے کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی تصانیف میں دہلی کی ٹکسالی زبان کا استعمال ملتا ہے۔ان کی تحریروں میں لطافت و شگفتگی اور بے تکلفی ملتی ہے۔

مضمون ''وقت'' میں نذیر احمد وقت کے صحیح استعمال پر زور دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ وقت کا استعمال اچھّے کاموں کے لئے کرنا چاہئیے۔جو فضول باتوں میں وقت برباد نہیں کرتے ہیں وہی کامیابی اور کامرانی حاصل کرتے ہیں۔طالب علموں کو چاہئے کہ وہ دل لگا کر تعلیم حاصل کریں۔آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں۔

ڈپٹی نذیر احمد

وقت

دنیا میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ تلافی ہے، مگر نہیں ہے تو وقت کی۔ جو گھڑی گزر گئی وہ کسی طرح تمہارے قابو میں نہیں آسکتی اور وقت کے گزر جانے پر غور کریں تو اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ وقت ریل سے زیادہ تیز ہے۔ ہوا سے بڑھ کر اُڑنے والا، بجلی سے سوا بھاگنے والا دبے پاؤں نکل جاتا ہے کہ خبر نہیں ہوتی۔ صبح ہوئی سوکر اُٹھے جب تک معمولی ضرورتوں سے فراغت حاصل کرو۔ ذرا ناشتہ وغیرہ کھاؤ پیو، پھر دِن چڑھ آیا۔ پھر گھڑی دو گھڑی اِدھر اُدھر بیٹھے، گپ شپ اُڑائی تو دس بجنے کو آئے مدرسے جانے کو دیر ہوتی ہے، جلدی ہی کھایا پیا مدرسے گئے۔ وہاں دوستوں سے ہنسی مذاق کرتے رہے۔ استاد کی تاکید سے دو ایک مرتبہ بُری بھلی طرح سبق پڑھا چلو شام ہوئی۔ دن رُخصت ہوا۔ گھر آئے تو پھر کھانے کی سوجھی کھانے سے کُسل پیدا ہُوا۔ ذرا لیٹے تو صبح موجود۔ کام تو کچھ بھی نہ ہُوا لیکن چوبیس گھنٹے گزرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے اور ایک چوبیس گھنٹے کیا ایسے ایسے صدہا ہزاروں چوبیس گھنٹے گزر جاتے ہیں۔

بیت:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

جب وقت کی بے ثباتی کا یہ حال ہے اور جو وقت گزرا وہ ہمارے اختیار سے باہر ہُوا تو نہایت ضروری ہے کہ وقت پر ہمارا اختیار ہو اس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ یہی وقت ہے کہ سونے اور کھیلنے میں گزر جاتا ہے اور آدمی کو سُست اور غبی اور آوارہ اور ذلیل اور رُسوا اور خوار اور محتاج اور طرح طرح کے امراض

میں مبتلا اور بداخلاقیوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔

یہی وقت ہے کہ اگر اس کو اچھّے شغل، اچھّے کام، اچھّی بات میں لگایا جائے تو انسان کو عالم، فاضل، لائق، ہنرمند، نامور، محترم، نیک، ہردل عزیز بنا کر طرح طرح کی خوبیوں اور بھلائیوں سے آراستہ کرتا ہے۔

اے لڑکو! یہ فراغت کا وقت جو تم کو اب میسّر ہے بس غنیمت سمجھو، اب نہ تم کو کھانے کی فکر ہے نہ کپڑے کی جو کچھ تم سے سیکھتے اور حاصل کرتے بن پڑے، لگ کر جلد سیکھ سا کھ لو آئندہ تمہارے کام آئے گا۔ ورنہ پھر کہاں تم اور کہاں یہ فراغت، اس وقت تم سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے اور رونا کچھ سودمند نہ ہوگا بہت پچھتاؤ گے اور پچھتانا کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔ بہت افسوس کرو گے اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ وقت جو تم کو حاصل ہے، اُن وقتوں کی مانند جو جوانی اور پیری میں تم کو آئندہ پیش آئیں گے لڑکپن کا وقت جوتنے اور بونے کا ہے اور جوانی و پیری کا وقت کاٹنے اور گاہنے کا۔ اگر اس وقت میں تم کچھ جوت بور کھو گے تو جوانی اور پیری دونوں میں آرام و آسائش سے رہو اور اگر چاہو تو اس وقت کو ایسا اکارت کرو کہ جوانی بھی خراب ہو اور پیری بھی۔ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ تم فرصت کو ڈھونڈو گے اور فرصت کا پتہ نہ پاؤ گے اور فراغت کو تلاش کرو گے اور فراغ کا سُراغ نہ مِلے گا۔ یہ وقت وہ ہوگا جب دنیا کا کاروبار تمہاری پیٹھ پر لدا ہوگا۔

بس یہ خیال اپنے دل میں ہرگز مت آنے دو کہ ابھی سیکھنے کا بہت وقت آ رہا ہے ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے کہ رات دن لکھنے پڑھنے کے پیچھے کوئی مر مِٹے۔ اگلا حال کچھ کسی کو معلوم نہیں۔ کون جانے کہ تندرستی رہے نہ رہے۔ زمانہ فرصت دے نہ دے۔ یہ سب سامان جو اب مہیّا ہیں میسّر ہوں یا نہ ہوں بے شک وقت کی قدر و قیمت اور اس کی بھاگا بھاگ تو یہ چاہتی ہے کہ تم خواب و خور اپنے اوپر حرام کر کے رات دن کتاب پر سے سر نہ اُٹھاؤ۔ لیکن انسان کی طبیعت کو خدا نے تازگی پسند بنایا ہے کیسا ہی کوئی دلچسپ شغل ہو ایک عرصے بعد ضرور اس سے جی گھبرا اُٹھتا ہے اور طبیعت اُکتانے لگتی ہے اور طبیعت کو مجبور کر کے اس

کام پر لگائے رکھو تو وہ کام اچھّی طرح نہیں ہوتا اور حواس بھی کند ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے مناسب ہے کہ کتاب کا مطالعہ ایسے اعتدال کے ساتھ جاری رکھو، مثلاً نظم و نثر، تاریخ و جغرافیہ اور حساب ایک ساتھ پڑھو۔ جب نثر سے طبیعت ملول ہوئی نظم دیکھنے لگے، تھوڑی دیر تاریخ پڑھی، کچھ دیر جغرافیہ کی سیر کی، پھر حساب میں طبع آزمائی کی۔ اِن سب سے گھبرائے تو کچھ لکھنے بیٹھ گئے۔ جب رات کو سونے لگو تو ضرور سوچو کہ آج ہم نے کون سی نئی بات حاصل کی اگر معلوم ہو کہ آج کچھ نہیں سیکھا تو جان لو کہ دن رائیگاں گیا اور اس نقصان کی تلافی اپنے ذمّے لازمی سمجھو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جس کے دو دن برابر ہوں یعنی ایک شخص جیسا کل تھا آج بھی ویسا ہی رہے اور اپنی حالتِ دیروزہ میں ترقی نہ کیا کرے تو وہ خسارے میں ہے۔

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
تلافی	نقصان کا عوض
تشبیہ	ہم شکل۔کسی دوسرے سے مثال دینا
فراغت	فرصت
تاکید	ضد۔ہٹ۔کوشش
کُسل	کاہلی۔سُستی
آراستہ	سجا ہوا
بیت	شعر
بے ثباتی	بے قراری، ناپائیداری
غبی	کم عقل۔بے وقوف
ذلیل	رسوا۔بدنام
امراض	مرض کی جمع
مُبتلا	جکڑا ہوا، گھرا ہوا
میسر	آسان کیا گیا
شغل	کام

سودمند	فائدہ مند۔نفع بخش
اعتدال	برابر کرنا
خسارے	نقصان
ملول	رنجیدہ۔اُداس

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ دنیا میں کس کی تلافی نہیں ہے؟

۲۔ سبق ''وقت'' کے مصنّف کا کیا نام ہے؟

۳۔ ڈپٹی نذیر احمد کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۴۔ 'ذلیل' لفظ کا معنی لکھئے۔

مختصر سوالات:

۵۔ وقت کو کس طرح استعمال کرنا چاہئے؟

۶۔ ''وقت دبے پاؤں نکل جاتا ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

۷۔ وقت کی تلافی کیوں نہیں ہے؟

۸۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کن کن عہدوں پر ملازمت کی؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ وقت کی کیا اہمیت ہے؟

۱۰۔ وقت کی قدر کرنے سے کیا فائدے ہوتے ہیں؟

۱۱۔ ڈپٹی نذیر احمد کی تصانیف کے نام لکھیے۔

۱۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

سُراغ لگانا۔ مرمٹنا۔ عہدہ برآ ہونا۔ سر کھُجلانے کی مہلت نہ ملنا۔

پیٹھ پر لدا ہونا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

مرزا فرحت اللہ بیگ ۱۸۸۴ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔اُن کے اجداد نے شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت میں تُرکستان سے دہلی آ کر سکونت اختیار کی تھی۔مرزا نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد دہلی کے مشن کالج میں داخلہ لے کر انگریزی تعلیم حاصل کی اور بی۔اے کی سند پائی۔دہلی میں دوران تعلیم ڈپٹی نذیر احمد سے اُن کی ملاقات ہوئی۔نذیر احمد کی عالمانہ شخصیت نے فرحت اللہ بیگ کو بے حد متاثر کیا۔تعلیم سے فارغ ہو کر فرحت اللہ ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد (دکن) چلے گیے۔حیدرآباد میں آپ اسسٹنٹ ہوم سیکریٹری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔حیدرآباد میں ''بابائے اُردو'' مولوی عبدالحق کی صحبت سے مرزا میں مضمون نگاری کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا شمار اُردو کے طنز ومزاح نگاروں کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔انھیں دہلی کی ٹکسالی زبان پر عبُور حاصل تھا۔روزمرّہ الفاظ اور محاورات کا استعمال،شوخی وظرافت،شگفتہ بیانی،بے ساختگی وروانی اور طنز کی لطافت اُن کے طرزِ تحریر کو دل کش اور با اثر بنا دیتی ہے۔

فرحت اللہ بیگ کی تصانیف میں ''نذیر احمد کی کہانی: کچھ اُن کی کچھ میری زبانی''، ''دلّی کا آخری یادگار مشاعرہ''، ''پھول والوں کی سیر'' اور ''مضامینِ فرحت'' قابلِ تعریف ہیں۔فرحت اللہ بیگ کا انتقال ۱۹۴۷ء میں ہوا۔

سبق ''امتحان کی تیّاری'' میں مرزا نے طلبہٗ کی نفسیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔اُن کا یہ نظریہ ہے کہ امتحان کسی درسی جماعت کا ہو یا زندگی کا، امتحان امتحان ہوتا ہے۔

امتحان دینے والوں کو تسلّی، محنت، یک سُوئی اور سلسلے وار تیّاری کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔امتحان کو بوجھ سمجھ کر ڈرنا نہیں چاہیے۔اگر امتحان دینے والے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے محنت و مشقّت کے ساتھ کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ انھیں کامیابی و کامرانی عطا فرماتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

امتحان کی تیّاری

لوگ امتحان کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے گھبرانے پر ہنسی آتی ہے۔ آخر امتحان میں ایسا کیا ہوتا ہے؟ دو ہی صورتیں 'فیل یا پاس'۔ اس سال پاس نہ ہوئے آیندہ سال سہی۔ میں اپنے دوستوں اور ہم جماعتوں کو دیکھتا تھا کہ جوں جوں امتحان کے دن قریب آتے جاتے ان کے حواس پرّاں، ان کا دماغ مختل اور ان کی صورت اتنی سی نکل آتی تھی۔ بندۂ درگاہ پر امتحان کا نہ رتی برابر پہلے اثر تھا اور نہ ہی اس کے ختم ہو جانے کا افسوس ہے۔ امیدواروں کا مجمع، نئی نئی صورتیں، عجیب عجیب خیالات ــــ یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے کبھی دل سیر نہیں ہوسکتا۔ جی چاہتا ہے کہ تمام عمر امتحان ہوئے جاتے لیکن پڑھنے اور یاد کرنے کی شرط اٹھا دیجئے۔ میری سنئے۔

دو سال میں ''لا'' کلاس کا کورس پورا کیا مگر کس طرح: شام کو یاروں کے ساتھ ٹہلنے نکلتا۔ واپسی کے وقت ''لا'' کلاس میں جھانک آتا۔ منشی صاحب دوست تھے اور لکچرار پڑھانے میں مستغرق۔ حاضری کی تکمیل میں کچھ دشواری نہ تھی۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ 'لا' کلاس میں شریک ہونے میں میرے کس مشغلہ میں فرق آسکتا تھا؟ والد صاحب قبلہ خوش تھے کہ بیٹے کو قانون کا شوق ہو چلا ہے، کسی زمانے میں بڑے بڑے وکیلوں کے کان کترے گا۔ ہم بھی بے فکر تھے کہ چلو دو برس تک تو کوئی امتحان کے لئے کہہ ہی نہیں سکتا۔ بعد میں دیکھئے کون جیتا ہے اور کون مرتا ہے۔ لیکن زمانہ آنکھ بند کئے گزر جاتا ہے۔ دو سال ایسے گزر گئے جیسے ہوا۔ 'لا' کلاس کا صداقت نامہ بھی مل گیا۔ اب کیا تھا، والدین امتحان وکالت کی تیاری کے لئے سر ہو گئے۔ مگر میں بھی ایک ذات شریف ہوں۔ میں نے تقاضہ کیا کہ علحدہ کمرہ مل جائے تو محنت

کروں۔ بال بچوں کی گڑ بڑ میں مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ تین روز اسی حیلے سے ٹال دیئے۔ لیکن تا کجے؟ بڑی بی نے اپنے سونے کا کمرہ خالی کر دیا۔ اب میں دوسری چال چلا۔ دروازوں میں شیشے تھے۔ ان پر کاغذ چپکا دیا۔ لیمپ روشن کر کے آرام سے سات بجے سو جاتا اور صبح نو بجے اٹھتا۔ اگر کسی نے آواز دی اور آنکھ کھل گئی تو ڈانٹ دیا کہ خواہ مخواہ میری پڑھائی میں خلل ڈالا جاتا ہے۔ اگر آنکھ نہ کھلی اور صبح کو سونے کا الزام لگایا گیا تو کہہ دیا کہ میں پڑھتے وقت کبھی جواب نہ دوں گا۔ آئندہ کوئی مجھے دق نہ کرے۔ بعض وقت والد والدہ کہتے بھی کہ اتنی محنت نہ کیا کرو۔ لیکن میں زمانہ کی ترقی کا نقشہ کھینچ کر ان کا دل خوش کر دیا کرتا۔ خدا خدا کر کے یہ مشکل بھی آسان ہوگئی اور امتحان کا زمانہ قریب آیا۔ میں نے بہت کہا کہ ابھی میں امتحان کے لئے جیسا چاہیئے ویسا تیار نہیں ہوں۔ لیکن مسلسل حاضری 'لاٗ کلاس اور شبانہ روز کی محنت نے ان کے دلوں پر سکّہ بٹھا رکھا تھا۔ وہ کب ماننے والے تھے۔ پھر بھی احتیاطاً اپنے بچاؤ کے لئے ان سے کہہ دیا کہ اگر میں فیل ہو جاؤں تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی کیوں کہ میں اپنے آپ کو ابھی امتحان کے قابل نہیں پاتا۔ لیکن والد صاحب مسکرا کر بولے۔ ''امتحان سے کیوں ڈر جاتے ہو جب محنت کی ہے تو شریک بھی ہو جاؤ۔ کامیابی و ناکامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔''

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
اجداد	جد کی جمع یعنی باپ دادا، پُرکھے
سُکونت	قیام، بسیرا، ٹھہراؤ
عُبور	خوب مہارت ہونا
شوخی وظرافت	چُلبُلا پن، شرارت، دل لگی، مذاق
شگفتہ بیانی	شادمانی اور خوشی کا بیان کرنا
بےساختگی	سادگی، بھولپن، جس میں بناوٹ نہ ہو
طنز	طعنہ، مہنا، تمسُخر
دلکش	دل لُبھانے والا، دل کو پسند آنے والا
نفسیات	انسان کے نفس یا دل و دماغ سے متعلق باتیں
یک سُوئی	اطمینان، فرصت
ملحوظ	خیال کیا گیا، لحاظ کیا گیا
تکمیل	پُورا کرنا، انجام دینا، تمام کرنا

کامرانی	اقبال مندی، بختاوری، صاحبِ نصیب
آئندہ سال	اگلا سال، آنے والا سال
ہم جماعتوں	ہم مکتب، ایک جماعت میں پڑھنے والے
حواس پرّاں ہونا	ہوش اُڑ جانا
مختل	حواس فاختہ، وہ شخص جس کے حواس میں فتور آ جائے۔
بندۂ درگاہ	ملازم شاہی، نیاز مند، خادم، غلام
مجمع	ہجوم، بھیڑ، مجلس
سیر	پیٹ بھرا، آسودہ، بے پروا
لاء	قانون کی ڈگری
مُستغرق	ڈوب جانا، غرق ہو جانا
تکمیل	پورا کرنا، انجام دینا، تمام کرنا
دُشواری	مشکل، دوبھر، بھاری
شریک	شرکت کرنا، شامل ہونا
مشغلہ	شغل، کام تفریح، کھیل، تماشہ
صداقت نامہ	وفاداری اور سچّائی کی سند
ذاتِ شریف	چالاک، مُفسد، شرارتی

حیلے سے ٹالنا (محاورہ)	بہانے سے یا مکّاری سے ٹال دینا
خواہ مخواہ	ناچار، زبردستی
خلل ڈالنا (محاورہ)	خرابی یا بگاڑ پیدا کرنا، بیجا مداخلت کرنا، رخنہ ڈالنا
دق	ایک بیماری جو پھیپھڑے خراب ہونے سے لگ جاتی ہے
مسلسل	لگاتار، متواتر
شبانہ روز	رات اور دن
سکّہ بٹھانا (محاورہ)	رعب قائم کرنا، حکومت جمانا
احتیاطاً	ہوشیاری سے، خبرداری سے، دُور اندیشی سے

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ سبق ''امتحان کی تیّاری'' کے مصنّف کا نام لکھیے۔

۲۔ فرحت اللہ بیگ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

۳۔ امتحان میں کون سی دو صورتیں ہوتی ہیں؟

۴۔ فرحت اللہ بیگ کے والدین امتحان سے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟

مختصر سوالات:

۵۔ فرحت اللہ بیگ نے لاء کلاس کا کورس کس طرح پُورا کیا؟

۶۔ فرحت اللہ بیگ کے والد صاحب کیوں خوش تھے؟

۷۔ فرحت اللہ بیگ نے والدین سے کیا تقاضہ کیا؟

۸۔ ''کامیابی و ناکامی خدا کے ہاتھ ہے'' یہ بات کس نے کس سے کہی؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ سبق ''امتحان کی تیّاری'' کا مطلب اپنی زبان میں لکھیے۔

۱۰۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی سوانح عمری لکھیے۔

۱۱۔ سبق ''امتحان کی تیّاری'' میں استعمال ہونے والے محاوروں کا مطلب لکھ کر انھیں اپنے لفظوں میں استعمال کیجیے۔

۱۲۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے طرزِ تحریر کی خوبیاں تحریر کیجیے۔

مولانا اسمٰعیلؔ میرٹھی

شیخ محمد اسماعیل نام اور آسمٰعیل تخلّص ۔ اُتّر پردیش کے مشہور شہر میرٹھ میں ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے ۔ روایت زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ۔ میرٹھ کے مشہور عالم رحیم بیگ سے فارسی پڑھی ۔ آسمٰعیل میرٹھی عربی اور انگریزی میں بھی مہارت رکھتے تھے ۔ آپ نے انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود درس وتدریس کو ترجیح دیتے ہوئے مُعلّمی کا پیشہ اختیار کیا ۔ اُتر پردیش کے محکمۂ تعلیم میں فارسی کے ہیڈ مولوی مقرّر ہوئے اور دوران ملازمت آپ نے سہارن پور، میرٹھ اور آگرہ میں اپنی تدریسی خدمات انجام دیں ۔

بچّوں کے شاعر وادیب کی حیثیت سے آسمٰعیل میرٹھی کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی ۔ آپ نے بچّوں کے لیے نثر ونظم میں سبق آموز قصّے، کہانیاں اور نظمیں تخلق کیں ۔ آپ کی جو کتابیں مدرسوں اور اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں ان میں سلاست اور روانی کا خیال بچّوں کے معیار کے مطابق رکھا گیا ہے ۔ اس قسم کی کتابیں اخلاقی درس کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی ہیں ۔

مولانا آسمٰعیل میرٹھی ۱۸۹۱ء میں ملازمت سے سُبکدوش ہوئے اور ۱۹۱۷ء میں آپ نے میرٹھ میں انتقال فرمایا ۔ آپ کا کلیّات آپکے صاحبزادے خان بہادر اسلم سیفی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے ۔

''نوشیروان عادل'' سے متعلق سبق میں مولانا آسمٰعیل میرٹھی نے ایران کے مشہور حاکم وفرمانروا نوشیروان کے عدل وانصاف سے متعلق حکایات کو مختلف کتابوں سے یکجا کیا ہے جن میں مولوی نظامی اور

شیخ سعدیؔ کی تحریر کردہ حکایات شامل ہیں۔مصنّف کا مطمعٔ نظر یہ ہے کہ بچّوں کو نوشیروان کے قصّے کے ذریعے عدل وانصاف اور رحم دلی کا درس دیا جائے۔سبق میں جا بجا معلومات فراہم کرانے کی غرض سے ایران کے مشہور ومعروف اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی

نوشیروان عادل

ملوک فارس میں جمشید فریدوں اور دارا جاہ وحشمت اور شان وشوکت کے لیے مشہور ہیں مگر جس تعظیم ومحبت کے ساتھ نوشیروان کا نام لیا جاتا ہے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی، جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت اور قارون کا بخل شہرۂ آفاق ہے اسی طرح نوشیروان کی عدالت ضرب المثل ہے، نوشیروان کا زمانہ آغاز اسلام سے کچھ ہی پہلے تھا جس کو پندرہ سو سال کے قریب ہوئے۔

مولوی نظامی نے اس بادشاہ کی ایک حکایت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اس کو رعایا پروری کی طرف کچھ توجہ نہ تھی اور اسکے ملک کی حالت خراب وخستہ ہو رہی تھی، وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز نوشیروان نے شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور سوائے وزیر کے کوئی اس کے ساتھ میں نہ رہا، بادشاہ نے دیکھا کہ ایک ویران گاؤں کی دیوار پر دو چڑیاں بیٹھی ہوئی چہچہا رہی ہیں، اس نے وزیر سے پوچھا کہ ''یہ کیا کہتی ہیں؟'' وزیر دانا نے اس موقع کو اپنے آقا کی نصیحت کے لیے نہایت مناسب پایا اور کہا۔۔۔''اگر حضور غور و تامل سے سنیں اور عبرت حاصل کریں تو ان طائروں کی گفتگو بیان کرتا ہوں۔ ان چڑیوں نے آپس میں اپنے بچوں کی شادی کی ہے، ایک ان میں سے چاہتی ہے کہ ویران گاؤں مجھ کو دے۔ دوسری کہتی ہے خدا ہمارے بادشاہ کے دم قدم کو سلامت رکھے، میں تجھ کو ہزاروں ویران گاؤں بخش دوں گی۔'' وزیر کی یہ نصیحت بادشاہ کی طبیعت پر ایسی مؤثر ہوئی کہ اس نے دادگستری اور رعایا پروری کا عزمِ مصمّم اپنے دل میں کر لیا اور اس کو آخر عمر تک نباہا۔

ایک حکایت اس بادشاہ کی شیخ سعدیؒ نے لکھی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ادبی امور میں

عدل کے قاعدوں کوملحوظ رکھتا اور انصاف کی پابندی کرتا تھا۔ چنانچہ جب صیدگاہ میں اسکونمک کی ضرورت ہوئی تو قریب کے گاؤں میں غلام بھیجا مگر اس کوسخت تاکید کی کہ قیمت دے کرلانا، غلام نے کہا کہ..... ''ذرا سے نمک دینے میں رعایا کو کیا مضرّت پہنچے گی۔'' بادشاہ نے کہا کہ ایک بری رسم پڑ جائے گی جو بڑے بڑے ظلم دنیا میں ہورہے ہیں وہ شروع میں ایسے ہی خفیف تھے۔

اس کے عدل وانصاف کی حکایتوں میں سب سے زیادہ دلچسپ اس پیرزال کا قصّہ ہے جس نے بادشاہ کے ہاتھ اپنا جھونپڑا فروخت کرنا منظور نہ کیا بات یہ تھی کہ بادشاہ نے ایک ایوان عالی شان تعمیر کرایا تھا، اس کے ایک گوشے کی کجی بغیر اس کے دور نہیں ہوسکتی تھی کہ بڑھیا کی زمین بھی اس میں شامل کر لی جائے۔ ہر چند بڑھیا سے درخواست کی گئی اور اسکو بہت بڑے معاوضہ کی طمع دلائی گئی مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی۔غرض بادشاہ کو اپنی غریب ہمسایہ کی پاس خاطر سے اپنے محل کا نقص چارونا چار گوارا کرنا پڑا۔لیکن دانشمندوں کے نزدیک اس کے ایوان کا یہ عیب ہزار خوبیوں سے بہتر تھا جس کی وجہ سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
مہارت	دخل، لیاقت، دسترس، اُستادی
عہدہ	منصب، افسری، سرداری
مُعلّمی	بچّوں کو پڑھانے کا پیشہ، مُدرّسی
سُبکدوش ہونا	کسی کام کی ذمّہ داری سے آزاد ہونا، بری الذمّہ ہونا
کلیّات	کُل کی جمع یعنی کسی ایک شخص کی منظومات وتصانیف
اہتمام	انتظام، بندوبست
شائع کرنا	چھاپ کر مشتہر کیا ہوا، آشکارا
یکجا	ایک جگہ، اکٹھّے، ملے جلے
مقبولیت	قبولیت، منظوری، اجابت
حاکم	فرمانروا، حکمراں، بادشاہ
مطمعٔ نظر	اصل مقصد
فراہم کرانا	یکجا، اکٹھّا یا جمع کرنا
معروف	مشہور، شہرت یافتہ
اشخاص	شخص کی جمع، بہت سے لوگ
نوشیروان	ایران کا انصاف پسند حاکم وفرمانروا

عادل	انصاف کرنے والا، جس کی گواہی شرعاً معتبر ہو
مُلوکِ فارس	ایران کے سلاطین اور فرمانروا
جمشید	ایران کا ایک مشہور بادشاہ، کہتے ہیں کہ اُس نے ایک ایسا پیالہ (جامِ جم) بنوایا تھا جس میں ساری دنیا کے حالات نظر آتے تھے۔
دارا	ایران کا مشہور شہنشاہ جو سکندرِ اعظم کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔
جاہ وحشمت	شان وشوکت، کرّ وفر، ٹھاٹ باٹ
تعظیم	عزّت، حُرمت، وقعت، توقیر، قدر ومنزلت
رُستم	فارس (ایران) کا ایک بہادر پہلوان جس کی بہادری کی داستانیں ''شاہ نامہ'' (فردوسیؔ) میں درج ہیں۔
شجاعت	دلیری، بہادری
حاتم	قبیلۂ طے کا مشہور سخی، بہادر، فیاّض اور بلند حوصلہ سردار
سخاوت	فیاّضی، دریا دلی، فراخ دلی، کرم فرمائی
قارون	حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کا بڑا مال دار مگر کنجوس شخص جو اپنے مال سمیت زمین میں غرق ہو گیا تھا
بُخل	کنجوسی، تنگ دلی، طمع، حرص
شہرۂ آفاق	جہاں بھر میں مشہور، مشہورِ عالم
ضرب المثل	کہاوت، وہ جملہ جو کہاوت کے طور پر مشہور ہو
حکایت	قصّہ، کہانی، داستان

شیخ سعدیؔ	فارسی کے مشہور شاعر وانشا پرداز جن کی کتابیں ''گلستان'' اور ''بوستان'' مشہور ہیں۔
رعایا پرور	محکوم لوگوں یا عوام کی پرورش کرنا
خستہ	خراب، بدحال
وزیر	دیوان، منتری، منسٹر
آقا	مالک، صاحب، خداوند
دانا	عقل مند، ہوشیار، دانش مند
غور وتامّل	سوچ، فکر، خبر گیری، حفاظت
طائروں	اُڑنے والے پرندے، پکھیرو
دم قدم	زندگی، ذاتِ ہستی، سلامتی
طبیعت	مزاج، فطرت، سرشت، خصلت وعادت
مؤثر	اثر دار، متاثر کُن
دادگستری	عدل وانصاف، دادرسی
عزمِ مصمّم	مضبوط اور پکّا ارادہ، نیّت
ادبی اُمور	ادب سے متعلق کام یا معاملات
ملحوظ	لحاظ کیا گیا، خیال کیا گیا
صیدگاہ	شکارگاہ، وہ جگہ جہاں شکار کیے جانور کو پکایا جاتا ہے۔
تاکید	اصرار سے کہنا، سخت حکم دینا
مُضّرت	ضرر، نقصان، زیاں

خفیف	تھوڑا، کم، ہلکا
پیرِ زال	بُوڑھی عورت، بُڑھیا
فروخت کرنا	بکری، بیچنا
ایوانِ عالی شان	شاندار محل
گوشے	کونہ، خلوت، تنہائی، کنارہ
کجی	ٹیڑھا پن، ترچھا پن، خمیدگی
درخواست	گزارش، عرضی، التماس
معاوضہ	بدل، عوض، اجرت، حقِ خدمت
طمع دلانا	لالچ اور خواہش پیدا کرنا
ہمسایہ	پڑوسی، پڑوسن
پاسِ خاطر	لحاظ، رعایت، مُروّت
نقص	عیب، کمی، کسر، اعتراض
چارو ناچار	عاجز اور مجبور
گوارا	برداشت کرنا، منظور کرنا
دانش مند	عالم، فاضل، عاقل، ہوشیار

مشقی سوالات:

مختصر ترین سوالات:

۱۔ نوشیروان کس لیے مشہور ہے؟
۲۔ بُڑھیا کو کس چیز کے لیے طمع دلائی گئی؟
۳۔ صیدگاہ میں نوشیروان کو کس چیز کی ضرورت تھی؟
۴۔ سبق ''نوشیروان عادل'' کے مصنّف کون ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ نوشیروان کے ایوان میں کیا عیب پیدا ہوا؟
۶۔ ''شجاعت'' اور ''عدل'' کے متضاد الفاظ لکھیے۔
۷۔ نوشیروان نے اپنے دل میں کیا عزمِ مصمّم کیا؟
۸۔ وزیر کی کونسی نصیحت بادشاہ کی طبیعت پر مؤثر ہوئی؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ نوشیروان، جمشید، دارا، رستم، حاتم، قارون اور شیخ سعدؔی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
۱۰۔ سبق 'نوشیروان عادل'' کا خلاصہ لکھیے۔
۱۱۔ نوشیروان کی زندگی سے ہمیں کیا درس ملتا ہے؟
۱۲۔ مولوی نظاالدین نے نوشیروان کے متعلق کون سی حکایت لکھی ہے؟

ڈاکٹر ذاکر حسین

ڈاکٹر ذاکر حسین کا شُمار ملک کے قابل قدر سیاست داں، ماہرِ تعلیم اور پایے کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ۸؍فروری ۱۸۹۷ء کو بمقام حیدرآباد پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام فدا حسین خاں تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب کی عمر محض ۱۰ سال کی تھی تب ہی اُن کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ۳ سال بعد اُن کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس لیے انہیں بڑی مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کی ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ اتر پردیش میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں ہوئی اور پی۔ ایچ۔ ڈی برلن یونیورسٹی (جرمنی) سے کی۔ آپ جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے بانی اور وائس چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۵۷ء میں انھیں صوبۂ بہار کا گورنر نامزد کیا گیا۔ جہاں وہ ۱۹۶۲ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۶۲ء میں اُن کو نائب صدر جمہوریۂ ہند بنایا گیا۔ ۱۳ مئی ۱۹۶۷ء کو مُلک کے سب سے بڑے عہدے صدر جمہوریۂ ہند پر فائز ہوئے۔ اُن کو پدم وبھوشن اور بھارت رتن جیسے اعزازات بھی ملے۔ ۳؍مئی ۱۹۶۹ء کو آپ اس دارِفانی سے رُخصت ہو گئے۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے صحن میں دفن کیے گئے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کو بچّوں کی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ بچّوں کی نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔ بچّوں کی تعلیم وتربیت کے مدِّنظر انھوں نے کئی مضامین لکھے اُن کا بڑا کام ''بنیادی تعلیم'' کی رپورٹ پیش کرنا ہے۔

''ابّو خاں کی بکری'' سبق میں بکری چاندنی کی آزادی حاصل کرنے کی کوشش کو بڑے ہی دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح چاندنی اپنی جان کی پرواہ کیے بنا ابّو خاں کے گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ سبق میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ آزادی نہ صرف انسانوں کو عزیز ہے بلکہ جانوروں کو بھی پیاری ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

ابّو خاں کی بکری

الموڑے میں ایک بڑے میاں رہتے تھے۔اُن کا نام تھا ابّو خاں۔انھیں بکریاں پالنے کا بہت شوق تھا۔اکیلے آدمی تھے۔بس ایک دو بکریاں رکھتے۔

ابو خاں بے چارے تھے بڑے بدنصیب۔ان کی ساری بکریاں کبھی نہ کبھی رسی تڑا کر رات کو بھاگ جاتی تھیں۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہاڑی جانوروں کے مزاج میں آزادی سے بہت محبت ہوتی ہے۔

جب ابو خاں کی بہت سی بکریاں یوں بھاگ گئیں تو بے چارے بہت اداس ہوئے اور کہنے لگے ''اب بکری نہ پالوں گا۔'' مگر تنہائی بری چیز ہے۔تھوڑے دنوں تو ابّو خاں بے بکریوں کے رہے، پھر نہ رہا گیا۔ایک دن کہیں سے ایک بکری خرید لائے۔یہ بکری دیکھنے ہی میں اچھی نہ تھی،مزاج کی بھی اچھی تھی۔ابّو خاں تو بس اس پر عاشق سے ہو گئے تھے۔اس کا نام چاندنی رکھا تھا اور دن بھر اس سے باتیں کرتے رہتے تھے۔

اس طرح چاندنی کو ابّو خاں کے یہاں خاصا زمانہ گزر گیا اور ابّو خاں کو یقین ہو گیا کہ آخر ایک بکری تو مل گئی۔اب یہ نہ بھاگے گی۔

مگر ابّو خاں دھوکے میں تھے آزادی کی خواہش اتنی آسانی سے دل سے نہیں مٹتی۔ایک دن صبح صبح چاندنی نے پہاڑ کی طرف نظر کی۔منھ جگالی کی وجہ سے چل رہا تھا،رک گیا اور چاندنی نے کہا'' وہ پہاڑ کی چوٹیاں کتنی خوبصورت ہیں۔وہاں کی ہوا اور یہاں کی ہوا کا کیا مقابلہ۔پھر وہاں اچھلنا کودنا،ٹھوکریں کھانا اور یہاں ہر وقت بندھے رہنا۔گردن میں آٹھ پہر یہ کمبخت رسّی۔ایسے گھروں میں گدھے اور خچرّ ہی بھلے

چُگ لیں۔ہم بکریوں کوتو ذرا بڑا میدان چاہیے۔''

اس خیال کا آنا تھا کہ چاندنی اب وہ پہلی سی چاندنی نہ تھی۔نہ اسے ہری ہری گھاس اچھی لگتی تھی نہ پانی مزا دیتا تھا۔روز بروز دبلی ہونے لگی۔دودھ گھٹنے لگا۔ابّو خاں سمجھ گئے ہو نہ ہو کوئی بات ضرور ہے۔ ایک صبح جب ابّو خاں نے دودھ دوہ لیا تو چاندنی نے ان کی طرف منہ پھیرا اور اپنی بکریوں والی زبان میں کہا۔''ابوخاں میاں! میں اب تمھارے پاس رہوں گی تو مجھے بڑی بیماری ہو جائے گی۔مجھے تو تم پہاڑ ہی میں چلا جانے دو۔''ابّو خاں بکریوں کی آواز سمجھنے لگے تھے۔انھوں نے کہا۔''اری کمبخت، تجھے یہ خبر ہے کہ وہاں بھیڑیا رہتا ہے۔جب وہ آئے گا تو کیا کرے گی؟'' چاندنی نے جواب دیا''اللہ نے دو سینگ دیئے ہیں ان سے اسے ماروں گی۔''

ابوخاں نے کہا۔یا اللہ یہ بھی جاتی ہے۔میری بکری اور اس کمبخت بھیڑیے کے پیٹ میں جائے گی۔مگر نہیں،نہیں! تیری مرضی کے خلاف تجھے بچاؤں گا۔

ابّو خاں نے چاندنی کو ایک کوٹھری کے کونے میں بند کر دیا اور اوپر سے زنجیر چڑھا دی۔مگر غصے میں کوٹھری کی کھڑکی بند کرنا بھول گئے۔اِدھر انھوں نے کنڈی چڑھائی اُدھر چاندنی کھڑکی میں سے اچک کر یہ جا وہ جا۔

چاندنی پہاڑ پر پہنچی تو اس کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا۔پہاڑ پر پیڑ اس نے پہلے بھی دیکھے تھے لیکن آج ان کا اور ہی رنگ تھا۔اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سب کھڑے ہوئے اسے مبارک باد دے رہے ہیں کہ پھر ہم سے آملی۔

چاندنی کے لئے یہ دن بھی عجیب تھا۔دوپہر تک اچھلی کودی کہ شاید ساری عمر میں اتنی نہ کودی ہوگی۔شام کا وقت ہوا،ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ہوتے ہوتے اندھیرا ہونے لگا اور پہاڑ میں ایک طرف سے آواز آئی۔

''خو......و......و......خو......و''

یہ آواز سن کر چاندنی کو بھیڑیے کا خیال آیا۔ پہاڑ کے نیچے سے ایک سیٹی اور بگل کی آواز آئی۔ یہ بے چارے ابو خاں تھے جو آخری کوشش کر رہے تھے کہ اسے سن کر چاندنی لوٹ آئے۔ چاندنی کے جی میں کچھ تو آئی کہ لوٹ چلے۔ لیکن اسے کھونٹا یاد آیا، رسّی یاد آئی، کانٹوں کا گھر یاد آیا۔ اس نے سوچا کہ اس زندگی سے یہاں کی موت اچھی ہے۔ چاندنی نے مڑ کر دیکھا تو بھیڑیا زمین پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ سینگ آگے کو کئے اور پینترا بدل کر بھیڑیے کے مقابل آئی کہ بہادروں کا یہی کام ہے۔ وہ خوب جانتی تھی کہ بکریاں بھیڑیے کو نہیں مار سکتیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ اپنی بساط کے مطابق مقابلہ کرے۔ جیت ہار پر اپنا قابو نہیں، وہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

کچھ دیر گزر گئی تو بھیڑیا بڑھا۔ چاندنی نے بھی سینگ سنبھالے اور وہ حملے کئے کہ بھیڑیے کا جی جانتا ہوگا۔ بیسیوں مرتبہ اس نے بھیڑیے کو نیچے ڈھکیل دیا۔ ساری رات اسی میں گزری۔ ستارے ایک ایک کر کے غائب ہوگئے۔ چاندنی نے آخر وقت میں اپنا زور دگنا کر دیا۔ بھیڑیا بھی تنگ آ گیا تھا کہ دور سے ایک روشنی دکھائی دی۔ ایک مرغ نے کہیں سے بانگ دی۔ نیچے مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ چاندنی نے دل میں کہا۔ ''اللہ تیرا شکر ہے۔ میں نے اپنے بس بھر مقابلہ کیا۔ اب تیری مرضی!'' مؤذن آخری دفعہ ''اللہ اکبر'' کہہ رہا تھا کہ چاندنی بے دم ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کا سفید بالوں کا لباس خون سے بالکل سرخ تھا۔ بھیڑیے نے دبوچ لیا اور کھا گیا۔

درخت پر چڑیاں بیٹھی دیکھ رہی تھیں۔ ان میں بحث ہو رہی تھی کہ جیت کس کی ہوئی؟ بعض کہتی تھیں کہ بھیڑیا جیتا۔ ایک بوڑھی سی چڑیا تھی، وہ کہتی تھی ''چاندنی جیتی۔''

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
شمار	گنتی
قابلِ قدر	عزّت کرنے کے لائق
ماہر	تجربہ کار
دارِفانی	فنا ہونے والی دنیا
رُکن	کسی جماعت کا ممبر
ابتدائی	شروع میں
فائز	پہنچنے والا۔کامیاب
اعزاز	عزّت۔رُتبہ۔مرتبہ
باکمال	کمال رکھنے والا۔کامل۔ماہر
مِدّنظر	وہ چیز جو نگاہ کے سامنے ہو۔ارادہ
مضامین	مضمون کی جمع
نفسیات	نفس سے مُتعلقہ باتیں
خواہش	آرزو،تمنّا
مقابل	سامنے

بساط	حوصلہ۔ ہمّت ۔طاقت
بانگ	آواز
مؤذن	اذاں دینے والا
سُرخ	لال رنگ

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ سبق ''ابّو خاں کی بکری'' کے مصنف کا نام لکھیے۔

۲۔ ابّو خاں کہاں کے رہنے والے تھے؟

۳۔ ابّو خاں کو کیا شوق تھا؟

۴۔ ابّو خاں کی بکری چاندنی کیوں بھاگی؟

مختصر سوالات:

۵۔ چاندنی نِکل کر بھاگنے میں کس طرح کامیاب ہوئی؟

۶۔ ابّو خاں بدنصیب کس طرح تھے؟

۷۔ درخت پر بیٹھی چڑیوں میں کیا بحث ہو رہی تھی؟

۸۔ چاندنی نے لوٹنے کا اِرادہ کیوں ترک کیا؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے حالاتِ زندگی پر مختصراً روشنی ڈالیے۔

۱۰۔ ابّو خاں کی بکری چاندنی میں آزادی کی خواہش کیوں بیدار ہوئی؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

۱۱۔ چاندنی نے ابّو خاں کو اپنی بکریوں والی زبان میں کیا کہا؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

۱۲۔ ابّو خاں کی بکری چاندنی اور بھیڑیے کے درمیان ہوئے مقابلے کا بیان کیجیے۔

بیگم حضرت محل

عورتوں کو کبھی کم زور نہیں سمجھنا چاہیے۔تواریخ عالم کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر ملک اور قوم میں ایسی خواتین پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے تاریخ ساز کارنامے انجام دیے ہیں۔ہندوستان کے تناظر میں اگر ایسی خواتین کی فہرست مرتّب کی جائے تو بھگت شرومنی میؔرا بائی ، رضیہ سلطان،شواجی کی والدہ جیجابائی،محمد علی جوؔہراور مولانا شوکت علی کی والدہ بی امّاں،جھانسی کی رانی لکشمی بائی،مولانا حسرؔت موہانی کی اہلیہ نشاط النسآء بیگم، وجے لکشمی پنڈت، کستوربہ گاندھی،سروجنی نائیڈو،اندرا گاندھی،بچھیندری پال، مدرٹیریسہ،پرتبھا پاٹل اور کلپنا چاولہ وغیرہ کے اسمائے گرامی بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ان میں بعض خواتین نے ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔اس فہرست کی تکمیل تب تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں بیگم حضرت محل جیسی مجاہدہ خاتون کا نام نامی شامل نہ ہو۔بیگم حضرت محل نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے دوران جو کارہائے نمایاں انجام دیے اُن سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین شاہینؔ

بیگم حضرت محل

بیگم حضرت محل کا شمار ہندوستان کی اُن مایۂ ناز خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

بیگم حضرت محل کی ولادت ریاستِ اودھ کی راجدھانی فیض آباد میں ۱۸۲۰ء میں ایک غریب خاندان میں ہوئی۔ اُن کے بچپن کا نام محمدّی خاتون تھا لیکن اُنھیں ''اُمراؤ'' کے نام سے پُکارا جاتا تھا۔ تاجدارِاودھ واجد علی شاہ اختؔر کی شریک حیات بن جانے کے بعد اُنھیں ''بیگم حضرت محل'' اور ''جنابِ عالیہ'' جیسے ناموں سے جانا جانے لگا۔

حضرت محل کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ بلا کی ذہین اور بے حد حسین تھیں۔ بچپن ہی سے اُنھیں شاعری، موسیقی اور رقص کے علاوہ بعض دیگر فنون لطیفہ میں گہری دل چسپی تھی۔ واجد علی شاہ اختر تاجدارِاودھ ہونے کے ساتھ۔ساتھ مکمّل شاعر اور بہترین ادا کار بھی تھے، جب انھوں نے ڈرامہ ''اندرسبھا'' کو اسٹیج پر پیش کیا تو حضرت محل نے وہاں بھی اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے، اسی لیے اُنھیں ''مہک پری'' کہا جانے لگا۔ واجد علی شاہ اختؔر نے اُن کی قابلیت ومہارت سے متاثر ہوکر انھیں ''افتخارالنّساء خانم'' کا خطاب عطا کیا۔

بیگم حضرت محل ہندوستان کی ایسی بیٹی تھیں جن پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ایک ذمّے دار خاتون ہونے کے ساتھ۔ساتھ انھوں نے اپنے وطن کی آن بان اور شان کے لیے انگریزوں کی فوج کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جب ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے ریاستِ اودھ پر قبضہ کرلیا اور واجد علی شاہ اختؔر کو کلکتہّ بھیج دیا تب حضرت محل نے نہ صرف ریاست کی باگ ڈور سنبھالی بلکہ اپنے نابالغ بیٹے بِرجس قدر کو گدّی پر بیٹھا

کرعملی طور پر انگریزی فوج سے لوہا لیا اور اس کے دانت کھٹّے کر دیے۔انھوں نے ہاتھی پر سوار ہوکر انگریزوں کوللکارتے ہوئے اپنی فوج کی رہنمائی کی اور مشہور مجاہدِ آزادی نانا صاحب پیشوا کے ساتھ مل کر ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کی تحریک میں حصّہ لیا۔

حضرت محل نے انگریزوں کی ہندو مسلم مذاہب میں بیجا مداخلت کی پالیسی کی سخت مخالفت کی۔انھوں نے فیض آباد کے مولوی احمد شاہ کی سربراہی میں شاہ جہاں پور حملے کو انجام دیا۔

بیگم حضرت محل میں اتّحاد کی زبردست صلاحیت تھی،اسی لیے اودھ کے زمین دار،فوجی،کسان اورعوام اُن کے حکم کی تعمیل کرتے تھے،اپنے فوجیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے وہ خود فوجی لباس پہن کر اور ہاتھی پر سوار ہوکر میدانِ جنگ میں پہنچ کر انگریزوں کا خاتمہ کرنے اعلان کیا کرتی تھیں۔اس سلسلے میں ''عالم باغ'' کی لڑائی تحریک آزادی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی طرح حضرت محل نے خواتین کو اپنی فوج میں جگہ دی تھی۔اُن کی فوجی خواتین کی سربراہی ''رحیمی'' نامی ایک خاتون کے ذمّے تھی۔حضرت محل نے فوجی خواتین کو بندوق اور توپ چلانے کی تربیت کے لیے ہر طرح کا سامان فراہم کرایا۔حضرت محل نے اپنے عزم وحوصلے کی بناء پر انگریزوں کا خوب مقابلہ کیا لیکن چند غدّاروں کی سازش کی وجہ سے انگریزوں کو فتح حاصل ہوگئی۔مولوی احمد شاہ کا سرقلم کر دینے کے حادثے نے بھی بیگم حضرت محل کو کم زور کر دیا۔انگریزوں سے شکست ہوکر وہ اپنے وفاداروں کے ساتھ اودھ کے دیہاتی علاقوں میں چلی گئیں اور وہاں کے عوام کو تحریکِ آزادی کے لیے بیدار کیا۔جب بیگم حضرت محل کے فوجی ختم ہوگیے تو انھیں مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑے۔مولانا غلام رسول نے ایک انگریز کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''بیگم جنگ میں ہار گئی مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر اور سرتاج کے مقابلے میں زیادہ بہادر تھیں۔''

جب اودھ کے حالات سنگین ہوگئے تو بیگم حضرت محل کو ترک وطن کر کے نیپال میں پناہ لینی

پڑی۔انھیں اپنی زندگی کے آخری ایّام نیپال میں بسر کرنے پڑے۔۷اپریل ۱۸۷۹ءکوانھوں نے وہیں پر انتقال فرمایا۔انھیں کاٹھ مانڈو کی مسجد کے میدان میں سپرِدخاک کیا گیا۔

حکومتِ ہندوستان نے بیگم حضرت محل کے مجاہدانہ کردار کی قدر کرتے ہوئے ۱۵اگست۱۹۶۲ءکو لکھنؤ کے وکٹوریہ پارک حضرت گنج کا نام بدل کر''بیگم حضرت محل پارک'' رکھ دیا۔ یہ پارک قومی یک جہتی کا نمونہ ہے جہاں رام لیلہ، دسہرہ اور لکھنؤ مہوتسو جیسی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔اس کے علاوہ حکومتِ ہند نے ۱۰مئی ۱۹۸۴ءکو بیگم حضرت محل کا احترام کرتے ہوئے اُن کے نام پر ڈاک ٹکٹ جاری کرتے ہوئے ایک مجاہدہ خاتون کی یادکو زندہ رکھا۔

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
تواریخِ عالم	دنیا کے قصّے اور روایتی افسانے
مطالعہ	غور و فکر کے ساتھ پڑھنا
خواتین	خاتون کی جمع یعنی عزّت دار عورتیں
تاریخ ساز	تاریخ کو بنانے والے
کارنامے	غیر معمولی کام، یادگاری کام
انجام دینا	مکمّل کرنا، نتیجے پر پہنچانا
تناظر	منظر، حالت، تناسب
فہرست	فرد یا چیزوں کی تفصیل
مرتّب کرنا	ترتیب وار یا قرینے سے تیار کرنا
اسمائے گرامی	اسم کی جمع یعنی بہت سے مکرّم اور معظّم نام
تحریک	ترغیب دلانا، حرکت پیدا کرنا، کسی کام کو شروع کرنا
بڑھ چڑھ کر	بہتری اور برتری کے ساتھ
تکمیل	انجام دینا، مکمّل کرنا، پورا کرنا
مُجاہدہ	کوشش کرنے والی، جاں فشانی کرنے والی، مجاہد کا موٴنّث

نامِ نامی	مشہور و معروف نام، عزّت کا کلمہ
کارہائے نمایاں	بڑے اور اہم کام
شمار	گنتی، حساب، تخمینہ
مایۂ ناز	جس پر فخر و ناز کیا جائے
شریک حیات	زندگی کے دکھ سکھ میں ساتھی کنایتاً میاں بیوی
تاجدار	بادشاہ، صاحب تاج، تاوالا
متاثر	اثر قبول کرنے والا، مؤثر، کارگر
خطاب	سرکار یا بادشاہ کی طرف سے دیا گیا اعزازی نام، تعریف کے طور پر اچھّا نام
نابالغ	کم سِن، خوردسال
لوہا لینا (محاورہ)	جم کر مقابلہ کرنا
دانت کھٹّے کر دینا (محاورہ)	عاجز کر دینا، ہمّت توڑ دینا
للکارنا	آواز لگانا، دھمکانا
مداخلت	دخل اندازی، مزاحمت
مخالفت	عداوت، دشمنی، روگردانی، کشیدگی
اتحّاد	یگانگت، ملاپ، ایکا، میل جول
صلاحیّت	لیاقت، قابلیت، سمجھ
تربیت	پرورش، پرداخت، تعلیم و تہذیب
بیدار	ہوشیار، جاگتا ہوا، چوکنّا

عزم وحوصلہ	پکّا ارادہ اور ہمّت
شکست	ہار، مات، ہزیمت
پناہ	حفاظت، نگرانی، حمایت، سہارا، امداد
ایّام	یوم کی جمع بمعنی دن یا زمانہ
سپردِ خاک	مٹّی کے حوالے کرنا، دفن کرنا
مجاہدانہ	جس میں کوشش اور جاں فشانی کا جذبہ شامل ہو
تقریبات	تقریب کی جمع بمعنی رسومات، اجتماعات، قریب کرنا
احترام	حُرمت، عزّت، توقیر، آؤ بھگت

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ حضرت محل کے بچپن کا نام کیا تھا؟

۲۔ حضرت محل کی ولادت کب اور کہاں ہوئی؟

۳۔ لفظ ''مجاہدہ'' کا مذکّر لکھیے۔

۴۔ حضرت محل کو کہاں سپرِدِ خاک کیا گیا؟

مختصر سوالات:

۵۔ حضرت محل کی کِن کِن علوم وفنون میں دل چسپی تھی؟

۶۔ واجد علی شاہ اختؔر نے حضرت محل کو ''افتخار النّساء خانم'' کا خطاب کیوں دیا تھا؟

۷۔ واجد علی شاہ اختؔر کی شریکِ حیات بننے کے بعد حضرت محل کو کن کن ناموں سے جانا جانے لگا؟

۸۔ ''لوہا لینا'' اور ''دانت کھٹّے کر دینا'' محاوروں کا مطلب لکھ کر انھیں اپنے الفاظ میں استعمال کیجیے۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ حضرت محل کی سوانح حیات لکھیے۔

۱۰۔ تحریکِ آزادی میں حضرت محل کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

۱۱۔ حضرت محل کے کردار سے ہمیں کیا درس ملتا ہے۔

۱۲۔ سبق ''بیگم حضرت محل'' کا خلاصہ لکھیے۔

فدائے وطن: شہید عبدالحمید

عربی زبان میں ایک مشہور مقولہ ہے: حُبّ الوطن مِن الایمان'' یعنی وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔ جو لوگ اس مقولے پر یقین رکھتے ہیں اُن میں حُب الوطنی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے وطن پر مر مٹنے کے لیے ہمہ وقت تیّار رہتے ہیں۔ شہید وطن عبدالحمید کا شمار بھی بجا طور پر اِسی قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں انھوں نے اپنے وطن کی حفاظت کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے شہادت پائی۔

ڈاکٹر معین الدین شاہینؔ

فدائے وطن: شہید عبدالحمید

ہندوستان ایک امن پسند ملک ہے جو انسانیت اور شرافت میں یقین رکھتا ہے۔ سنسکرت کی ایک کہاوت کے مطابق اہلِ ہندوستان تمام دُنیا کو ایک خاندان تسلیم کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستانیوں نے طاقت ور ہونے کے باوجود نہ تو کسی پڑوسی ملک کی زمین پر قبضہ کیا اور نہ ہی کسی ملک کو جنگ کے لیے مجبور کیا۔ لیکن صد افسوس کہ ہمارے پڑوسی ملکوں نے نہ صرف ہماری سرحدوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی بلکہ ہماری انسانیت اور شرافت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے وقتاً فوقتاً ہم پر جنگیں بھی تھوپی ہیں۔ جن کا جواب ہمارے جاں باز اور جانثار فوجیوں نے دے کر اپنے وطن کی حفاظت کی ہے۔

میدانِ جنگ میں یُوں تو ہزاروں فوجی شہید ہوتے ہیں لیکن چند ایسے فوجی بھی گزرے ہیں جنھوں نے میدان جنگ میں اپنے نمائیندہ اور انفرادی کارناموں کے پیش نظر شہیدوں کی فہرست میں منفرد جگہ بنائی ہے۔ ایسے جاں باز اور جاں نثار وطن پرستوں میں ایک نام فدائے وطن شہید عبدالحمید کا بھی ہے۔

عبدالحمید کی ولادت صوبۂ اُتر پردیش کے ضلع غازی پور کے مشہور گاؤں دھامُو پور کے ایک پس ماندہ خاندان میں ۱/۳۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو ہوئی۔

عبدالحمید کے والد کا نام محمد عثمان تھا جو گزر بسر کے لیے کپڑوں کی سلائی کا کام کرتے تھے۔ لیکن عبدالحمید کی اپنے آبائی پیشے میں کوئی دل چسپی نہیں تھی، انھیں تو کشتی کی مشق کرنے، اُپھنتی ندی کو پار کرنے اور غلیل سے نشانہ لگانے میں لطف آتا تھا۔ اُن کے والدین نے اُن کی تعلیم و تربیت کے لیے جی

جان سے کوشش کی اور ہمیشہ عبدالحمید کو حُب الوطنی، قومی یکجہتی اور وطن کے تحفّظ کا درس دیا۔

عبدالحمید بچپن ہی سے ہونہار تھے۔ایک مرتبہ کسی عزیب کسان کی فصل کو زمین دار کے لوگ جبراً لے جانا چاہتے تھے لیکن عبدالحمید نے تنِ تنہا تقریباً پچاس لوگوں کا جاں بازی سے مقابلہ کر کے کسان کی فصل کو بچایا۔اسی طرح جب ۱۹۵۴ء میں ''منگئی ندی'' نے غازی پور جن پد کے پدم پور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں تباہی مچادی تو بقول سیّد احسان علی عبدالحمید نے اپنی جان پر کھیل کر ستاون لوگوں کو موت کے مُنھ میں جانے سے بچایا۔

عبدالحمید کی عمر جب ۲۱ برس ہوئی تو انھیں ذریعۂ معاش کی فکر ستانے لگی۔وہ پہلے پہل ریلوے میں ملازمت حاصل کرنے گیے تو انھیں اپنے والدین کا دیا ہوا درس اور نصیحت یاد آئی اُن کی والدہ سکینہ بیگم نے انھیں ہمیشہ فوج میں بھرتی ہو کر وطن کے تحفّظ کی تحریک دلائی تھی، لہٰذا عبدالحمید ریلوے میں ملازمت کا ارادہ ترک کر کے اسی سال یعنی ۲۷ دسمبر ۱۹۵۴ء کو وارانسی بھرتی بورڈ پہنچے۔یہاں انھیں فوجی کی حیثیت سے بھرتی کر لیا گیا اور نصیر آباد چھاونی (اجمیر شریف) میں ٹرینگ کے لیے بھیجا گیا۔یہاں فوجی تربیت دینے والے افسران اُن کی فرض شناسی سے بہت خوش تھے۔عبدالحمید خواجہ معین الدین چشتی کے پکّے عقیدت مند تھے انھیں جب بھی موقع ملتا تو وہ نصیر آباد سے غریب نواز کے دربار میں حاضری دینے چلے آتے تھے۔سیّد احسان علی نے اس بابت ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ایک بار اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ عبدالحمید اجمیر کی خواجہ معین الدین چشتی صوفی درگاہ پر درشن کرنے کے لیے گیے۔عبدالحمید اور ان کے ساتھیوں کو آستانے کی بھیڑ میں درشن کرنے میں دیر ہوگئی اور نصیر آباد جانے والی پسنجر گاڑی چھوٹ گئی۔ٹرینگ کیمپ میں دیر سے پہنچنے کے ڈر سے اور اپنی فرض شناسی پر آنچ آتی دیکھ حمید کے مُنھ سے یکا یک نکلا ''یہ تو بہت بُرا ہوا''مذہبی عقیدت کے عبدالحمید خواجہ غریب نوازؒ کے آستانے کی طرف مُنھ کر کے کھڑے ہو گئے اور ایک فریادی کی طرح کہنے لگے ''بابا آج ہم کو کوئی سزا ملی تو پھر کبھی نہیں

آ ئیں گے۔'' عبدالحمید اتنا کہہ کر وہاں سے پندرہ کوس پیدل ہی جلدی جلدی ساتھیوں کے ساتھ نصیر آباد ملٹری کیمپ پہنچ گئے اور من ہی من سوچتے رہے کہ ٹریز کی ڈانٹ کھانی پڑے گی۔ تبھی سامنے سے کچھ دوری پر آ رہے ٹریز اُستاد نے ڈپٹنے کے بجائے پوچھا'' کھانا وانا کھایا ہے؟'' اس پر حمید نے کہا'' ہاں سر کھا چکے ہیں۔'' یہ سُن کر استاد میجر ہنسے اور کہا'' کھانا تو میس سے لا کر ہم نے رکھا ہے تمہارا' جا کر کھانا کھایئے باقی کل پریڈ میں دیکھا جائے گا۔'' اس واقعے کے بعد عبدالحمید کی غریب نوازؒ میں اور گہری عقیدت ہو گئی۔

عبدالحمید کو ہندوستانی فوج میں ابتداً ''گرینیڈ یئر انفینٹری ریجی منٹ'' میں شامل کیا گیا۔ فوج میں آپ نایک، حولدار اور کمپنی کمانڈر جیسے عہدوں پر تعینات رہے۔ عبدالحمید جب جمّوں کشمیر بورڈر پر تعینات تھے تب انھوں نے ایک خطرناک ڈاکو عنایت علی کو گرفتار کروایا تو اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انھیں ''لانس نایک'' بنا دیا گیا۔ جب ۱۹۶۲ء میں چین نے ہندوستان پر حملہ کیا تب عبدالحمید نیفا میں تعینات تھے۔ انھیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ انھیں میدانِ جنگ میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن ۱۹۶۵ء میں جب پاکستان نے ہندوستان پر حملہ کیا اُن دنوں عبدالحمید پنجاب کی سرحد پر تعینات تھے، یہاں انھیں اپنی بہادری اور دلیری کے جوہر دکھانے اور مادرِ وطن کا قرض چکانے کا موقع مِل گیا۔

عبدالحمید اس مرتبہ بہت خوش تھے۔ انھوں نے اپنے چچیرے بھائی نورحسن (جھُنّن) سے جنگ کے مورچے پر جانے سے پہلے کہا کہ ''پلٹن میں اُنکی بہت عزّت ہوتی ہے جن کے پاس کوئی چکر ہوتا ہے، دیکھنا جھُنّن ہم بھی جنگ میں لڑ کر کوئی نہ کوئی چکر ضرور لے کر لوٹیں گے'' عبدالحمید کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کیوں کہ آگے چل کر عبدالحمید کو ''پرم ویر چکر'' کے علاوہ اُن کی نمائندہ فوجی خدمات کے لیے ''سینیہ سیوا میڈل''، ''سمر سیوا میڈل''، ''رکشا سیوا میڈل'' اور ''مہاویر چکر'' جیسے اعزازات سے نوازا گیا۔

۳۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاکستان نے ہندوستان پر اچانک حملہ کیا تو ہندوستانی فوج نے بھی پاکستان کو جواب دینے کے لیے کمر کس لی۔ عبدالحمید نے سب سے پہلے ہندوستانی فوج کے لیے خطرہ بنے ''پٹّو پل'' کو اپنی زبردست نشانے بازی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی آر۔سی۔ایل گن سے اُڑا دیا۔ بعد ازاں ۹ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستانی فوج کو ''کھیم کرن سیکٹر'' میں پہنچنے کا حکم دیا گیا۔ فوجی سولہ گھنٹوں کا سفر کر کے تھکے ہوئے تھے اسی دوران اچانک تقریباً صبح نو بجے پاکستانی پیٹن ٹینکوں کی آہٹ سُنائی دینے لگی۔ عبدالحمید نے نازک حالات کے پیشِ نظر اپنی دانش مندی اور چابکدستی کا ثبوت دیا۔ اُن کے پاس ایک جیپ تھی جس پر توپ لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے پاکستانی فوج کی نظر سے بچ کر اپنی جیپ کو ایک ٹیلے کی آڑ (اوٹ) میں لے لیا اور نشانہ لگا کر یکے بعد دیگرے پاکستان کے تین پیٹن ٹینکوں کے پرخچے اُڑا دیے۔ اسی بیچ پاکستانی کمانڈر نے اُنھیں نشانہ لگاتے دیکھ لیا تو پاکستانی فوج نے انھیں گھیر کر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ پاکستانی پیٹن ٹینک کا ایک گولہ عبدالحمید کے بائیں ہاتھ کو ہوا میں لے اُڑا۔ عبدالحمید نے اس پر بھی ہمّت نہیں ہاری وہ آخری دم تک اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ اُن کی سانس ٹوٹتے وقت اُن کا آخری جملہ یہ تھا ''ساتھیو آگے بڑھو'' اور عبدالحمید نے ۳۲ برس کی عمر میں اس طرح جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ہندوستانی فوج آگے بڑھتی رہی اور پاکستانی فوج مُنھ کی کھا کر پیچھے ہٹتی رہی اور آخرکار پاکستانی فوج کو ہتھیار ڈال کر گھٹنے ٹیکنے پڑے۔

غازی پور کے مجسٹریٹ جب عبدالحمید کی شہادت کی خبر لے کر اُن کے والد محمد عثمان کے پاس پہنچے تو بقول سیّد احسان علی اُن کے والد نے ''دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا ''ہمیں فخر ہے اپنے بیٹے پر کہ وہ جنگ میں پیٹھ دکھا کر نہیں بھاگے، ایسا کام کر کے شہید ہوئے ہیں کہ دنیا سینکڑوں سال یاد رکھے گی۔''

عبدالحمید کی شہادت کو سلام کرتے ہوئے حکومتِ ہند نے انھیں ''پرم ویر چکر'' سے نوازا۔ یہ

اعزازان کی اہلیہ رسولن بی بی نے صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کے ہاتھوں ۲۶ جنوری کو حاصل کیا۔

شہید عبدالحمید کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے اُن کے گاؤں کا نام ''عبدالحمید دھام'' رکھا گیا۔ اس کے علاوہ اُن کے گاؤں کے ایک اسکول، ایک لائبریری اور ایک ڈسپینسیری کا نام بھی عبدالحمید سے منسوب ہے۔ ۲۸؍ جنوری ۲۰۰۰ء کو محکمۂ ڈاک نے اُن پر تین روپیہ کا ایک ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ کھیم کرن (پنجاب) میں، جہاں عبدالحمید نے شہادت پائی تھی، وہاں اُن کا مقبرہ تعمیر کرایا گیا۔ یہاں اُن کے یوم شہادت پر ہر سال میلہ لگتا ہے اور انھیں اہلِ ہندوستان خراجِ عقدت پیش کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
مقولہ	قول، کہاوت، ضرب المثل
حُبّ الوطن مِن الایمان	وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے
جزو	حصّہ، ٹکڑا، ریزہ
جذبات	جذبہ کی جمع، دل کا جوش، کشش، ولولہ
کوٹ کوٹ کر بھرا ہونا (محاورہ)	اتنا بھرا ہونا کہ ظرف میں جگہ باقی نہ رہے، کثرت سے بھرا ہوا۔
مرمٹنا	فنا اور بے نشان ہو جانا، عاشقِ صادق
ہمہ وقت	ہر وقت، ہمیشہ
شمار	گنتی، حساب، تخمینہ
بجا طور پر	درست، مناسب، جائز
امن پسند	صُلح، آشتی، سکون، چین اور آرام پسند کرنے والے
تاریخ	روایات، قصّے، افسانے، جنگ نامے
شاہد	گواہی (گواہ)، شہادت
مجبور کرنا (محاورہ)	تنگ کرنا، بے بس کرنا، ستانا، دبانا
فائدہ اٹھانا (محاورہ)	نفع حاصل کرنا، فیض حاصل کرنا

وقتاً فوقتاً	کبھی کبھی، گاہ بگاہ، وقت وقت پر
تھوپنا (محاورہ)	سر منڈھنا، الزام لگا دینا
جاں باز	جان پر کھیلنے والا، دلیر، بہادر
جاں نثار	جان قربان کرنے والا، وفادار
نمائیندہ	ترجمان، ترجمانی
انفرادی	جو کسی شخص کی ذات سے مخصوص ہو، شخصی
کارنامے	غیر معمولی کام، یادگاری کام
فہرست	فرد یا چیزوں کی تفصیل
منفرد	یکتا، یگانہ، واحد
وطن پرست	وطن کا شیدائی، وطن سے محبت کرنے والا
فدائے وطن	وطن پر قربان ہونے والا
شہید	مقتول، کشتہ، خدا کی راہ میں قربان ہونے والا
پس ماندہ	پیچھے رہا ہوا، پچھڑا
اختلاف	فرق، تفاوت، الگ الگ رائے ہونا
یکم	ایک
تحقیق	اصلیت معلوم کرنا، دریافت کرنا، تفتیش
آبائی پیشہ	باپ دادا کا ہنر یا کام دھندا
مشق کرنا	بار بار کسی کام کو کر کے مہارت حاصل کرنا
تربیت	تعلیم دینا، سکھانا، ٹرینگ دینا

ہونہار	جس میں لیاقت اور قابلیت کے آثار پائے جائیں
گزر بسر کرنا (محاورہ)	دن کاٹنا، بسر اوقات کرنا
تحفّظ	بچاؤ، حفاظت
جبراً	زبردستی، مجبور کر کے
مردانہ وار	مردوں کی طرح، بہادروں کی مانند
درس	سبق، تعلیم، نصیحت
جان پر کھیلنا (محاورہ)	ایسا کام جس میں جان جانے کا خطرہ ہو
موت کے منھ میں جانا (محاورہ)	خطرے میں پڑنا
ستانا	تنگ کرنا، تکلیف پہنچانا
ذریعۂ معاش	رزق یا روزی کا ذریعہ
تحریک	حرکت دینا، کسی بات یا کام کو پورا کرنا
ترک کرنا	چھوڑنا، بھول جانا
فرض شناسی	اپنی ذمّے داری کو جاننا
آنچ آنا (محاورہ)	نقصان ہونا، چوٹ لگنا، مصیبت آنا
ابتداً	شروع شروع میں، پہلے پہل
عہدہ	منصب، ذمّے داری
تعینات	نوکری یا فرض پر مقرر ہونا
حوصلہ افزائی	ہمّت بڑھانا، شاباشی دینا
جوہر دکھانا (محاورہ)	ہنر، لیاقت یا فضلیت ظاہر کرنا

مادرِوطن	سرزمین وطن، اپنا دیش، ماتر بھومی
قرض چکانا (محاورہ)	فرض ادا کرنا، کسی بڑی ذمّے داری کو ادا کرنا
چکر	اعزاز، انعام واکرام، وہ اعزاز جو فوجیوں کو بہادری کے لیے دیا جاتا ہے
پیشین گوئی	کسی بات کی پہلے سے خبر ہونا
اعزازات	اعزاز کی جمع یعنی رتبہ، مرتبہ، تحفہ، ستائش
نوازنا	عزّت بخشنا، سرفراز کرنا
کمر کسنا	تیّار رہونا، پکّا ارادہ کرنا
بعدازاں	اُس کے بعد
پیش نظر	نظر کے سامنے، نگاہ کے سامنے، مِدّ نظر
دانش مندی	دانائی، عقل مندی، فہم وفراست، حکمت
چابکدستی	مشّاقی، ہوشیاری
یکے بعد دیگرے	ایک ایک کر کے، ایک دوسرے کے بعد
پرخچے اُڑانا (محاورہ)	پُرزے پُرزے کرنا، دھجّیاں اُڑانا
ہمّت ہارنا (محاورہ)	جی چھوڑنا، پست ہمّت ہونا، حوصلہ نہ رہنا
حوصلہ بڑھانا	شاباش دینا، ہمّت بڑھانا
سانس ٹوٹنا (سانس اکھڑنا) (محاورہ)	نزع کی حالت میں ہونا، موت کے قریب ہونا
جامِ شہادت نوش فرمانا	اللہ کی راہ میں فنا ہونا، شہید ہونا

آخرکار	انجام کار، آخرش
ہتھیار ڈالنا (محاورہ)	اپنے آپ کو کسی جیتنے والے یا فاتح کے حوالے کر دینا
گھٹنے ٹیکنا (محاورہ)	گھٹنے زمین پر رکھ اپنی شکست یا ہار تسلیم کرنا
اہلیہ	بیوی، زوجہ
صدرِ جمہوریہ	جمہوریت کا سربراہ، راشٹر پتی
یومِ شہادت	شہادت کا دن
خراجِ عقدت	جذبۂ اعتقاد ظاہر کرنا، عقیدت کے پھول پیش کرنا، شردھانجلی دینا

مشقی سوالات

مختصرترین سوالات:

۱۔ عبدالحمید کے والد اور والدہ کا نام لکھیے۔

۲۔ ''حُبّ الوطن مِن الایمان'' کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

۳۔ رسولن بی بی کون تھیں؟

۴۔ عبدالحمید نے کن لوگوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا؟

مختصر سوالات:

۵۔ عبدالحمید کو کن کن فوجی اعزازات سے نوازا گیا تھا؟

۶۔ عبدالحمید نے غریب نواز کے آستانے کی طرف مُنھ کر کے کیا فریاد کی تھی؟

۷۔ عبدالحمید نے جنگ کے مورچے پر جانے سے پہلے جھنّن سے کیا کہا تھا؟

۸۔ عبدالحمید کو کس طرح لُطف حاصل ہوتا تھا؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ سبق ''فدائے وطن: شہید عبدالحمید'' میں جو محاورے استعمال ہوئے ہیں اُن کی فہرست بنا کر اُن کا مطلب لکھتے ہوئے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۱۰۔ سبق ''فدائے وطن: شہید عبدالحمید'' کا خلاصہ لکھیے۔

۱۱۔ عبدالحمید کے سوانحی حالات لکھیے۔

۱۲۔ عبدالحمید کے کارناموں سے ہمیں کیا پیغام ملتا ہے؟

محمد صادق

ایک تندرستی ہزار نعمت

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔لیکن ان سبھی نعمتوں کا لطف ہم تب ہی اٹھا سکتے ہیں جب ہم تندرست اور صحت مند ہوں۔اگر ہمارا جسم تندرست نہ ہو تو ہمیں نہ تو کھانے پینے کی چیزوں میں لذّت آئے گی اور نہ ہی ہم کسی کام کو پوری توجہ سے کر سکیں گے۔یہاں تک کہ خدا کی عبادت میں بھی ہمارا من نہیں لگے گا۔ایک تندرست شخص دینی اور دنیاوی دونوں شعبوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان دولت اور دوسری چیزیں تو بعد میں بھی حاصل کر سکتا ہے لیکن مکمل تندرستی ایک بار جانے کے بعد پھر نہیں آتی۔

تندرستی کے معنی ہیں کہ جسم کے تمام اعضاء معمول کے مطابق اپنا کام کرتے ہوں اور جسم میں کوئی بیماری نہ ہو۔کیوں کہ جسم کے ایک عضو میں بیماری ہونے پر جسم کے دوسرے اعضا میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔مکمل تندرستی کے لیے متوازن غذا، صاف پانی، تازہ ہوا، جسم کی پاکیزگی وصفائی، آس پاس کے ماحول کی عمدگی اور کام اور آرام میں اعتدال ضروری ہے۔اس کے علاوہ ذہنی سکون بھی انسان کی صحت کے لیے ضروری ہے۔کچھ انسانی جذبات جیسے غصہ، حسد، کشاکش، لالچ وغیرہ انسان کی ذہنی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ان سے ہمیں بچنا چاہیے۔

پرانے زمانے میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ

پڑھو گے لکھو گے بنو گے نواب
کھیلو گے کودو گے ہوؤ گے خراب

جب کہ آج کے جدید نفسیاتی تعلیمی نظام میں نہ صرف طلبا کی ذہنی ترقی پر توجہ کی جاتی ہے بلکہ ان

کی جسمانی اور ہمہ جہت ترقی پر بھی توجہ کی جاتی ہے۔یعنی پڑھنے لکھنے کے علاوہ کھیل کوداور دوسری معاون نصابی سرگرمیوں پر بھی توجہ دی جاتی ہے ۔حالانکہ کھیلنے کودنے اور پڑھنے لکھنے کے وقت میں توازن ہونا چاہیے۔کہا بھی گیا ہے کہ تندرست جسم میں ہی تندرست دماغ رہتا ہے۔

ایک تندرست شخص کو اپنی تندرستی کی اہمیت کا اتنا احساس نہیں اس کے برعکس ایک بیمار شخص تندرستی کی اہمیت زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔وہ اپنی بیماری سے خود تو تکلیف پا تا ہی ہے ساتھ ہی اس کے تیماردار بھی پریشان ہو جاتے ہیں ۔اس لیے ہمیں تندرستی کے معاملے میں لا پرواہی نہیں برتنی چاہیے اور اللہ کی اس بیش بہا نعمت کی قدر کرتے ہوئے جسم کو نقصان پہچانے والی نشہ آور اور دیگر نقصاندہ چیزوں سے دور رہنا چاہیے۔

اردو کے مشہور شاعر مرزا غالبؔ کی زندگی کا بیشتر حصہ تنگ دستی میں گزرا لیکن انھوں نے اپنی تندرستی پر اس کا اثر نہیں پڑنے دیا،فرماتے ہیں ۔

تنگ دستی اگر چہ ہے غالبؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

تندرستی جو اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تندرستی کی حفاظت کرنی چاہیے ۔غلط صحبت میں پڑ کر صحت کو نقصان پہنچانے والے شوق نہیں کرنے چاہیے۔یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض عین ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھے۔آمین!

مشکل الفاظ اوران کے معنی

الفاظ	معنی
اعضاء	عضو کی جمع، جسم کے حصے
مکمل	پورا کیا گیا، کامل کیا گیا
متوازن غذا	ایسا کھانا جس میں جسم کے لیے ضروری سبھی عناصر ضروری مقدار میں موجود ہوں۔
اعتدال	درمیانی درجہ، نہ کمی نہ زیادتی
حسد	جلن، کسی کا زوال چاہنا
کشاکش	کھینچاؤ، ٹینشن (انگریزی) کھینچا تانی
مقولہ	قول، کہاوت
جدید	نئی
نفسیاتی	تحت الشعور کے متعلق، سائکولوجیکل (انگریزی)
نظام	انتظام، بندوبست
ہمہ جہت ترقی	ہر شعبہ کی ترقی
بیش بہا	قیمتی
بیشتر	زیادہ تر، اکثر
تیماردار	بیمار کی دیکھ بھال کرنے والا

تنگ دستی	مفلسی، غربت
فرض عین	ضروری فرض، نہایت ضروری ولازمی کام
آمین	خدا کرے ایسا ہی ہو، خدا دعا قبول کرے

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بہترین نعمت کیا ہے؟

۲۔ انسان کی صحت کے لیے کون کون سے جذبات نقصان دہ ہیں؟

۳۔ بیمار شخص کے علاوہ اس کی بیماری سے اور کون پریشان ہوتے ہیں؟

۴۔ اس سبق میں تندرستی سے متعلق کس شاعر کا شعر شامل ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ سبھی نعمتوں کا لطف ہم کب اٹھا سکتے ہیں؟

۶۔ جسم کے ایک عضو میں بیماری ہونے پر جسم کے دوسرے اعضاء پر کیا اثر ہوتا ہے؟

۷۔ کھیلنے کودنے سے متعلق پرانے زمانے میں کون سا مقولہ مشہور تھا؟

۸۔ تندرستی کی اہمیت کون زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ تندرستی کسے کہتے ہیں؟

۱۰۔ مکمل تندرستی کے لیے کیا کیا ضروری ہے؟

۱۱۔ جدید تعلیمی نظام میں کس بات پر توجہ دی جاتی ہے؟

۱۲۔ تندرستی کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہے؟ سمجھائیے۔

محمد صادق

حُبّ الوطنی

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوے قاتل میں ہے

جو شخص اپنے وطن سے پیار کرتا ہے، وطن کے لیے محبت کا جذبہ رکھتا ہے اور وطن کی خدمت تن من دھن سے کرتا ہے، محبّ وطن کہلاتا ہے اور اپنے وطن عزیز کے لیے محبت کے اسی جذبے کو حُب الوطنی کہتے ہیں۔ مادرِ وطن کو جنت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ وہ جنت ہے جس کی گود میں ہم پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور تعلیم اور تربیت اور ہنر حاصل کر کے قابل ولائق بنے۔ ہمارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ ہم ہر حال میں اپنے وطن سے محبت کریں۔ اپنے وطن کی عظمت کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھیں اور اس کی عظمت میں چار چاند لگانے والے کام کریں۔

ایک سچا محبّ وطن اپنے وطن کی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ وہ اپنے کارناموں سے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے وطن کا نام بھی روشن کرتا ہے۔ ہندوستان بھی اپنے ان محبانِ وطن پر فخر کرتا ہے جنہوں نے وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ تحریک آزادی کے دوران انگریزوں نے ہزاروں مجاہدینِ آزادی کو جیل میں ڈال دیا اور ان پر بہت ظلم و ستم کیے۔ ہزاروں کو بندوق کا نشانہ بنایا اور سیکڑوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا، لیکن اس کے باوجود آزادی کے دیوانوں کا جذبہ کم نہیں ہوا بلکہ اور بھی بڑھتا گیا۔ ان مجاہدین آزادی میں مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہؔر، اشفاق اللہ خاں، رام پرساد بسملؔ، بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد، سبھاش چندر بوس، خان عبدالغفار خان اور مولانا ابوالکلام آزادؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ تحریک آزادی کے دوران انگریزوں

کے آزادی کے بدلے کچھ اور دینے کی تجویز کا مجاہدینِ آزادی نے ایک ہی جواب دیا۔

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے

نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے ''حُب الوطنِ من الایمان'' یعنی وطن سے محبت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔

میرے جذبات کی تفسیر ہے پاکیزہ زمین

میرے جذبات کی تکمیل ہے یہ حُب وطن

ایک محبّ وطن کے لیے دنیا کا کوئی ملک کتنا بھی ترقی یافتہ اور خوبصورت کیوں نہ ہو لیکن وہ اس کے وطن کی برابری کسی طرح نہیں کر سکتا۔ اپنے مادرِ وطن میں چاہے کتنے بھی مسائل اور مشکلات ہوں لیکن ہر چیز مادرِ وطن کی عظمت کے سامنے ہیچ ہے۔ ہم اس ملک ہندوستان کے باشندے ہیں اور ہمارے ملک ہندوستان کے سامنے آج غریبی، رشوت خوری، بڑھتی ہوئی آبادی اور بے روزگاری نیز مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں تعلیم کا تناسب کم ہونا جیسے مسائل درپیش ہیں۔ ایک محبّ وطن ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں اور ہمارے ملک ہندوستان کو ترقی کے راستے پر گامزن کریں۔ حب الوطنی ایک ایسا جذبہ ہے جس کے لیے محبانِ وطن کوئی بھی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے بجا فرمایا ہے۔

اے وطن تجھ کو کروں پیش میں سرمایۂ تن

اپنا دل، اپنا لہو، اپنا یہ نا چیز سا فن

حب الوطنی ایک فطری انسانی جذبہ ہے۔ اپنے وطن عزیز ہندوستان میں ہمیں جہاں اتنے حقوق اور سہولیات حاصل ہیں وہیں ہمارا بھی یہ فرض عین ہے کہ ہم اسکی حفاظت کریں اور اس کی آزادی، خوشحالی

اورآن بان اورشان کو ہمیشہ برقرار رکھیں۔ طالبِ علم جو ملک کا مستقبل ہوتے ہیں، ان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے والدین، استاد اور بڑوں کی عزت کریں، ذات پات اور مذہب کے نام پر تفریق نہ کریں، ملک کے قوانین کا احترام کریں اور اچھی تعلیم اور تربیت حاصل کر کے اپنے وطن کی ترقی میں حصہ لیں۔

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
حُب الوطنی	وطن کی محبت
سرفروشی	جاں بازی، دلیری
تشبیہ	ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھہرانہ، مشابہت دینا
عظمت	شان وشوکت، بڑائی
چار چاند لگانا	عزت بڑھانا، شان وشوکت بڑھانا
کوشاں	کوشش کرنے والا
مجاہد آزادی	آزادی کے لیے کوشش کرنے والا
طلب	آرزو، مانگ
بہشت	جنت، فردوس
ہیچ	کچھ نہیں، معدوم
سرمایہ	اصل زر، پونجی
مسائل	مسئلہ کی جمع
گامزن	تیز رفتار
تفریق	فرق ڈالنا

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ مادرِ وطن کو کس سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

۲۔ وطن کی ترقی کے لیے کون ہمیشہ کوشاں رہتا ہے؟

۳۔ انگریزوں نے کن پر بہت ظلم وستم کیے؟

۴۔ ہر چیز کس کی عظمت کے سامنے ہیچ ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ حُب الوطنی کسے کہتے ہیں؟

۶۔ ہندوستان کس پر فخر کرتا ہے؟

۷۔ آزادی کی تحریک میں شامل کن ہی چار مجاہدینِ آزادی کے نام لکھیے۔

۸۔ اپنے وطن کے لیے ہمارا اخلاقی فرض کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ انگریزوں نے محبان وطن کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

۱۰۔ حضور اکرم ﷺ نے حب الوطنی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟

۱۱۔ ہمارے ملک ہندوستان کے سامنے کون کون سے مسائل در پیش ہیں؟

۱۲۔ طالب علم کے اپنے وطن کے لیے کیا فرائض ہیں؟

شاہداختر خان

قصّہ میاں ایٹم کا

میں کئی دن سے ایک مضمون لکھنے کی فراق میں تھا،لیکن کوئی موضوع میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، جس کی وجہ سے بڑی الجھن تھی کافی غور وخوض کے بعد بھی جب کوئی موضوع میرے ذہن میں نہ آیا تو میں مایوسی سے آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا۔

آنکھیں بند کرتے ہی عالمِ خیال میں جا پہنچا،تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پُر فضا مقام پر ایک محفل جمی ہوئی ہے، میں بھی چپکے سے جا کر بیٹھ گیا،غور سے جو دیکھا تو اگلے پچھلے بہت سارے مشہور سائنسداں جمع تھے اور ایک بزرگ سائنسداں میاں ایٹم کی کہانی سنا رہے تھے۔کہانی بڑی ہی مزیدار، دلچسپ اور حیرت انگیز تھی، میں چپ چاپ سنتا رہا۔جب کہانی ختم ہوگئی تو میں نے کھڑے ہوکر پوچھا،صاحبو! اگر اجازت ہوتو میں یہ کہانی اپنے عزیز طلبا کو سنا دوں،سب نے چونک کر مجھے دیکھا،اور بولے،اچھا ماسٹر صاحب ہیں،ارے صاحب بڑی خوشی سے اجازت ہے۔‘‘

آج سے ہزاروں سال بلکہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے کی بات ہے جب یہ زمین، یہ آسمان، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ جنگل کچھ بھی نہ تھا،بس ایک خدا تھا اس نے کہا ’’کُن‘‘ اور میاں ایٹم پیدا ہوگئے،ہزاروں لاکھوں سال بعد خدا نے پھر کہا ’’کُن‘‘ اور یہ زمین وآسمان پیدا ہوگئے اس کے ہزاروں لاکھوں سال بعد خدا نے حضرت انسان کی تخلیق کی اور زمین پر بھیج دیا کہ جاؤ میاں! ہم نے زمین تمہیں سونپی، کھاؤ، پیؤ موج اڑاؤ اور میرا شکر ادا کرو،خبردار! ہمیں بھولنا مت ، ہماری بنائی ہوئی چیزوں میں غور کرتے رہنا۔

لیکن یہ حضرتِ انسان جب دنیا میں تشریف لائے تو اتنے بڑے بیوقوف تھے کہ بس کچھ نہ پوچھو

کپڑے تک پہننا نہیں جانتے تھے ننگے اِدھر اُدھر گھوما کرتے تھے اور جو مل جاتا اسے کچّا ہی کھا جاتے، آگ تک جلانا نہ آتا تھا، حد تو یہ ہے کہ بولنا تک نہ جانتے تھے، پھر بھلا میاں ایٹم کو کیا خاک پہچانتے کہ کس کھیت کی مولی ہیں۔ بیچارے میاں ایٹم بہت دنوں تک اپنی گمنامی پر کڑھتے رہے، آج سے کوئی تین ہزار سال پہلے یونانیوں نے میاں ایٹم کو کھوج ہی نکالا، ایک صاحب تھے، دیمقراطیس انہوں نے کہا اگر ایک چیز کو توڑتے جائیں، توڑتے جائیں، توڑتے جائیں.......اُفوہ! کب تک توڑتے جائیں؟ ارے صاحب بس توڑتے جائیں، توڑتے جائیں تو آخر میں ایک ذرّہ ملے گا جسے مزید توڑنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہوگا اور یہی ذرّہ ہیں ہمارے ''میاں ایٹم'' جن کی کہانی ہم سنا رہے ہیں۔

میاں ایٹم بڑے خوش تھے کہ آخر انسان نے ہمیں پہچان ہی لیا۔ اب ہمارے عروج کا زمانہ آیا مگر یہ حضرت اتنے چھوٹے تھے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی دکھائی نہ دیے۔ انسان نے جھنجھلا کر کہا ''میاں بھاڑ میں جاؤ ایسا بھی کیا کہ دکھائی نہیں دیتے، تم سے کون دوستی کرے۔'' اور میاں ایٹم کو پھر بھلا دیا گیا، تم پوچھو گے کہ آخر میاں ایٹم ایسے کتنے چھوٹے ہیں؟ تو بھئی میاں ایٹم واقعی بہت چھوٹے ہیں کہ سوئی کی نوک پر مزے سے لاکھوں ایٹم بیٹھ کر دعوت کھا سکتے ہیں۔ ابھی شاید تمہیں ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہو کہ میاں ایٹم کتنے چھوٹے ہیں تو سنو۔

میاں ایٹم اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر دس کروڑ ایٹم کی لائن بنائی جائے تو وہ صرف ایک سینٹی میٹر لمبی ہوگی۔ جب کہ دس کروڑ چیونٹیوں کی لائن سو کلو میٹر لمبی ہوگی اور اگر دس کروڑ آدمی آگے پیچھے کھڑے ہو جائیں تو یہ لائن پچیس ہزار کلو میٹر لمبی ہوگی اور اگر یہ دس کروڑ آدمی گول گھیرا بنا لیں تو یہ گھیرا اتنا بڑا ہوگا کہ زمین اس کے بیچ میں سما جائے گی اور اگر ایک میٹر لمبائی والے دس کروڑ آدمی تلے اوپر کھڑے کر دیے جائیں تو اتنے اونچے ہوں گے کہ ان کی برابری کے لیے دس ہزار ہمالیہ پہاڑ اوپر تلے کھڑے کرنا پڑیں گے۔

تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن میاں ایٹم واقعی اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر مٹر کے برابر پچاس کروڑ موتیوں کا ہار بنائیں تو وہ تقریباً دو ہزار کلو میٹر لمبا ہوگا جب کہ پچاس کروڑ ایٹموں کا ہار صرف انگوٹھی کے برابر ہوگا اور اگر مٹر کے ایک کھوکھلے دانے میں ایٹم ٹھوس ٹھوس کر بھرے جائیں تو وہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ ان کو گننے کے لیے دنیا کے سارے آدمی (تقریباً چھ ارب) لگ جائیں تو ایک ہزار جنم لے کر بھی نہیں گن سکتے جب کہ ہر آدمی کی عمر سو سال مانی جائے اور وہ سوائے گننے کے کوئی دوسرا کام نہ کریں، حالانکہ یہی آبادی صرف سال بھر میں دنیا کے سبھی پیڑوں کی پتیاں گن سکتی ہے۔اب شاید تمہیں اندازہ ہو گیا ہو کہ میاں ایٹم کتنے چھوٹے ہوتے ہیں۔

حضرتِ انسان تو میاں ایٹم کو بھول ہی گئے تھے کہ اٹھارہ سو آٹھ عیسوی میں ڈالٹن صاحب نے میاں ایٹم کی شان میں ایک لمبا چوڑا قصیدہ لکھ مارا جسے ڈالٹن کا ایٹمی نظریہ کہتے ہیں، د۔ ڈالٹن صاحب کے نظریہ کے بعد حضرت انسان کو پھر میاں ایٹم کی یاد آئی اور انہیں دیکھنے کی کوششیں ہونے لگیں ایک سے بڑھ کر ایک طاقتور خوردبین (مائکرواسکوپ) بنائی گئیں مگر میاں ایٹم دکھائی نہ دیے بلکہ طعنہ اور مارنے لگے ''واہ میاں! بڑے اشرف المخلوقات بنے پھرتے ہو ہمیں دیکھ نہیں سکتے'' آخر انسان نے کچھ سال پہلے ایک خوردبین بنا ہی لی جسے الیکٹرون مائکرواسکوپ کہتے ہیں۔ یہ کسی چیز کو دس لاکھ گنا بڑا کر کے دکھاتی ہے، اگر اس کی مدد سے سرسو کا دانہ دیکھا جائے تو وہ ایک بہت ہی بڑے گولے (قطر ۱۰۰ میٹر) کی شکل میں دکھائی دیگا اس خوردبین سے جب میاں ایٹم کو دیکھا گیا تو بیچارے چھپ نہ سکے دکھائی دے ہی گئے۔

بہت دنوں تک میاں ایٹم سب سے چھوٹے سمجھے جاتے رہے مگر جلد ہی ان کی پول کھل گئی، پتا چلا کہ میاں ایٹم خود تین ذرّوں سے مل کر بنے ہیں جنہیں الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون کہتے ہیں۔ پروٹون اور نیوٹرون میاں ایٹم کے بیچوں بیچ براجمان رہتے ہیں جسے مرکزہ (Nucleus) کہتے ہیں اور الیکٹرون مرکزے کے چاروں طرف انتہائی تیز رفتاری سے چکر لگاتے رہتے ہیں یہ ذرّے میاں ایٹم سے

ہزار ہا گنا چھوٹے ہوتے ہیں اوران ذرّوں کے بیچ میں کافی خالی جگہ ہوتی ہے اس کا اندازہ آپ یوں کر سکتے ہیں کہ اگر میاں ایٹم کے مرکزہ کو کانچ کی گولی جتنا بڑا مان لیا جائے تو پھر الیکٹرون اس سے تقریباً ایک کلومیٹر دور چکر لگائے گا ایک الیکٹرون مرکزہ کے چاروں طرف اتنی تیزی سے گردش کرتا ہے کہ ایک سیکنڈ میں کھربوں چکر لگا لیتا ہے جب کہ پوری رفتار سے چلنے والا بجلی کا پنکھا ایک سیکنڈ صرف سو چکّر لگا پاتا ہے۔

میاں ایٹم اکیلے رہنا پسند نہیں کرتے (شاید چھوٹے ہونے کی وجہ سے ڈر لگتا ہو) بلکہ دو دو چار چار کی ٹولیاں بنا کر رہتے ہیں ان ٹولیوں کو سالمہ (Molecule) کہتے ہیں ان سالموں کے درمیان اتنی جگہ خالی ہوتی ہے کہ اگر قطب مینار (۲۳۴ فٹ اونچی) کو اتنا دبایا جائے کہ اس کے سارے سالمے آپس میں چمٹ جائیں تو وہ صرف ایک سوئی کے برابر رہ جائے گی اور وزن میں کوئی فرق نہ آئے گا یہ سالمے اتنی تیزی سے حرکت کرتے ہیں کہ ایک سیکنڈ میں تقریباً ایک کلومیٹر کا سفر طے کر لیتے ہیں اور اس سفر کے دوران پانچ ارب مرتبہ اپنا رُخ بدل لیتے ہیں۔

تم شاید سوچتے ہوگے کہ جب میاں ایٹم اتنے چھوٹے ہیں کہ چہ پدّی چہ پدی کا شوربہ تو پھر ان میں بھلا وزن کیا ہوتا ہوگا تمہارا سوچنا ٹھیک ہے لیکن میاں ایٹم میں وزن ضرور ہوتا ہے اگر چہ یہ اتنا کم ہوتا ہے کہ تمہارے لیے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہوگا یوں سمجھو کہ ایک انگور تقریباً ایک گرام وزن کا ہوتا ہے اور سرسوں کے سو دانوں کا وزن ایک انگور کے دانہ کے برابر ہوتا ہے اور ایک کروڑ دھول کے ذرّوں کا وزن ایک سرسو کے دانے کے برابر ہوتا ہے اور ایک کھرب ہائیڈروجن ایٹموں کا وزن ایک دھول کے ذرّے کے برابر ہوتا ہے جب کہ ایک کھرب سرسوں کے دانے اتنے ہوتے ہیں کہ انہیں رکھنے کے لیے دس ہزار بورے چاہیے ان کا وزن دس لاکھ کلوگرام ہوتا ہے یعنی سو ہاتھیوں کے برابر۔

آج سے ہزاروں سال پہلے یونانیوں نے میاں ایٹم کی تعریف کر دی تھی کہ انہیں کوئی توڑ نہیں سکتا، تبھی سے جناب میاں ایٹم سینہ پھلائے، مونچھوں پر تاؤ دیے اکڑے اکڑے پھرتے تھے کہ ہے کوئی

مائی کالال جو ہمیں توڑ دے۔ حضرتِ انسان نے کہا'' اچھا جی! اتنا گھمنڈ......ہم توڑیں گے'' مگر ہزاروں سال کی کوششوں کے بعد بھی انسان میاں ایٹم کا کچھ نہ بگاڑ سکا، بڑی کرکری ہوئی تب کچھ انگریز سائنسدانوں نے مکاری سے کام لیا اور میاں ایٹم کے گھر میں ہی پھوٹ ڈلوادی (یہ انگریز ہمیشہ پھوٹ ڈالو کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں) یعنی انہیں کے ایک فرد نیوٹران کو اپنی طرف ملا لیا اور اس سے میاں ایٹم کے چکر و یوہ کو توڑنے کی ترکیب معلوم کر لی (جبھی کہتے ہیں کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھاوے) اس کے بعد غدّار نیوٹران کی مدد سے ایٹم کے قلعے (مرکزے) پر حملہ بول دیا گیا بیچارے میاں ایٹم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ساری شیخی دھری رہ گئی۔

اپنی شکست پر میاں ایٹم کو اتنا غصّہ آیا کہ انتقام لینے کے لیے وہ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاسا کی پر ایٹم بم بن کر برس پڑے۔ اور وہ تباہی مچائی کہ توبہ ہی بھلی سوالاکھ آدمی مر گئے دس ہزار آدمی بھاپ بن کر اڑ گئے، عمارتیں ٹین کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئیں، پیڑ پودے جل کر راکھ ہو گئے، میاں ایٹم کا غصہ دیکھ کر بیچارے میاں انسان چیں بول گئے، ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے'' حضور غلطی ہوئی معاف کر دیجئے، ہمیں آپ کی طاقت کا اندازہ نہ تھا'' بڑی مشکل سے میاں ایٹم کا غصہ ٹھنڈا ہوا فرمانے لگے'' خبردار! جو آئندہ ہمیں اس طرح توڑنے کی کوشش کی تو ہم ساری دنیا کو بھسم کر کے رکھ دیں گے۔''

میاں ایٹم کی اس طاقت کو ایٹمی توانائی کہتے ہیں اور یہ میاں ایٹم کے مرکزے (Nucleus) میں پوشیدہ رہتی ہے جب تک مرکزے کو نہ توڑا جائے میاں ایٹم بھیگی بلّی بنے رہتے ہیں مگر مرکزے کے ٹوٹتے ہی انہیں جلال آجاتا ہے ایٹمی توانائی کتنی زبردست ہوتی ہے اس کا اندازہ تم یوں لگا سکتے ہو کہ پانچ سو گرام مادّے سے جو ایٹمی توانائی حاصل ہوتی ہے وہ دس ارب گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہوتی ہے یعنی ایک کروڑ کلو ہارس پاور اتنی طاقت حاصل کرنے کے لیے پندرہ لاکھ ٹن کوئلہ جلانا پڑے گا اس طاقت سے

ایک ہوائی جہاز لگا تار دو سال تک اڑتا رہے گا اور زمین کے پچیّس ہزار چکّر لگالے گا اسی طرح ایک گرام مادّے سے جو ایٹمی توانائی حاصل ہوگی اس سے ایک ریل گاڑی دنیا کے چار چکر کاٹ لے گی، بجلی کا ایک عام بلب سو سال تک لگا تار جلتا رہے گا تیس ہزار ٹن برف بھانپ بن کر اڑ جائے گی اور گرما گرم چائے کی پندرہ لاکھ پیالیاں تیاّر ہو سکتی ہیں جب کہ اتنی توانائی حاصل کرنے کے لیے تین ہزار ٹن کوئلہ جلانا پڑے گا۔

دیکھا تم نے میاں ایٹم کی طاقت کتنی زبردست ہے؟ تم کہو گے کہ میاں ایٹم تو جن ہیں جن اور خوشی کی بات یہ ہے کہ حضرت انسان نے جن کو اپنا غلام بنالیا ہے اور اسے انسانی فلاح و بہبود کے کام میں لگا دیا ہے، تاکہ پھر یہ جاپان جیسی تباہی نہ پھیلا سکے۔

تو یہ تھا میاں ایٹم کا قصّہ کہو کیسا لگا؟ اب تمہیں نیند آرہی ہوگی مگر سونے سے پہلے ایک بات سوچو جب ذرا سے میاں ایٹم اتنے عظیم ہیں تو ان کو بنانے والا خدا کتنا عظیم ہوگا آؤ اس کی عظمت کو سجدہ کریں۔

مشکل الفاظ اوران کے معنی

الفاظ	معنی
ایٹم	ذرّہ، جوہر
موضوع	عنوان
غوروخوض	غورفکر، سوچ وچار
عالم خیال	خیالوں کی دنیا
پُرفضا	بارونق، خوشنما منظر
تخلیق	بنانا، تعمیر
ڈالٹن	ایک مشہور سائنسدان
خوردبین	مائکرواسکوپ۔ وہ آلہ جس سے نہایت باریک چیزکو دیکھا جاسکے
اشرف المخلوقات	تمام مخلوقات سے بہتر، یعنی انسان
ایٹمی توانائی	وہ طاقت جو ایٹم (ذرّہ) سے حاصل کی جاتی ہے۔
فلاح و بہبود	بھلائی، نیکی

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ ایٹم کے بارے میں سب سے پہلے کس نے اطلاع دی؟

۲۔ کس سائنس داں نے ایٹمی نظریہ پیش کیا؟

۳۔ الیکٹرون مائکرواسکوپ چیزوں کو کتنا گنا بڑا کر کے دکھاتی ہے؟

۴۔ ایٹم میں کتنے ذرّے ہوتے ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ ایٹم کے مرکزے میں کون کون سے ذرّات ہوتے ہیں؟

۶۔ الیکٹرون کہاں چکّر لگاتے ہیں؟

۷۔ سالمہ کسے کہتے ہیں؟

۸۔ جاپان کے ان شہروں کے نام بتائیں جن پر ۱۹۴۵ء میں ایٹم بم گرائے گئے۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ ایٹم کی بناوٹ کیسی ہوتی ہے؟

۱۰۔ ایٹمی توانائی کسے کہتے ہیں؟ اور یہ کیسے حاصل کی جاتی ہے؟

۱۱۔ ایک گرام مادّے سے حاصل ایٹمی توانائی سے کیا کیا کام ہو سکتے ہیں؟

۱۲۔ ایٹم کے بارے میں پانچ چھ سطروں کا نوٹ لکھیے۔

فہیم الدین

قواعد: تعریف مع مثال

(الف)

فعل :۔

وہ لفظ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہو، اُسے فعل کہتے ہیں۔

جیسے پڑھنا، لکھنا، کھانا، چلنا، چِلّانا وغیرہ

فاعل :۔

کسی کام کو کرنے والا فاعل کہلاتا ہے۔ مثلاً حامد نے خط لکھا۔

مذکورہ جملے میں حامد فاعل ہے (یعنی خط لکھنے والا)

مفعول :۔

جس پر فعل یا کام کا اثر واقع ہو۔ اسے مفعول کہتے ہیں۔

مثلاً عابد اخبار پڑھ رہا ہے۔

مذکورہ جملے میں اخبار مفعول ہے۔

(ب)

محاورے اور کہاوتیں

(i) محاورہ

محاورہ عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی ہیں ''گفتگو کرنا'' یا ''ہم کلام ہونا'' لیکن یہ اپنے اصل معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔محاورے پورے جملے نہیں ہوتے یہ جملے میں استعمال ہو کر ایک خاص مطلب دیتے ہیں۔

محاورے	مطلب	جملے میں استعمال
آنکھیں بچھانا	استقبال کرنا	مہمان کے گھر آنے پر حامد نے آنکھیں بچھا دیں
آنکھیں دکھانا	غصہ کرنا	عابد مدرسے دیر سے پہنچا تو مولوی صاحب آنکھیں دکھانے لگے۔
آب آب ہونا	شرمندہ ہونا	ماسٹر صاحب کے سوال کا جواب نہ دینے پر ارشد آب آب ہو گیا۔
اپنا اُلّو سیدھا کرنا	اپنا مطلب نکالنا	آج کے وقت میں لوگ مختلف طریقوں سے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔
اپنے منہ میاں مٹھو بننا	اپنی تعریف آپ کرنا	کچھ لوگ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔

ایک لاٹھی سے سب کو ہانکنا	سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنا	سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا اچھی بات نہیں ہوتی ہے۔
اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا	اپنا نقصان خود کرنا	حامد نے راشد کا الزام اپنے اوپر لے کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی۔
آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا	بہت بھوک لگنا	راشد نے صبح سے کھانا نہیں کھایا جس سے اس کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں۔
باغ باغ ہونا	بہت خوش ہونا	ماں اپنے بچوں سے بہت دنوں بعد مل کر باغ باغ ہو گئی۔
پیٹ کا ہلکا ہونا	چغلی کرنے والا	حامد کی ایک بری عادت یہ ہے کہ وہ پیٹ کا ہلکا ہے۔
تو تو میں میں کرنا	جھگڑا کرنا	لوگ اپنا وقت تو تو میں میں کرنے میں زیادہ خراب کرتے ہیں۔
جان میں جان آنا	اطمینان ہونا	بچوں کے صحیح وقت پر گھر پہنچنے سے والدین کی جان میں جان آ گئی۔
خاک میں مِلنا	تباہ و برباد ہو جانا	دکان کا سامان جل جانے پر سیٹھ جی کا سب کچھ خاک میں مل گیا۔
وارے نیارے ہونا	مالدار ہونا	حمید کی نوکری لگنے پر اس کے وارے نیارے ہو گئے۔
لوہا ماننا	ہار تسلیم کرنا	ندیم نے آخر میں اشرف کا لوہا مان لیا۔

ایک جان دو قالب ہونا	گہری دوستی ہونا	رحیم اور کریم ایک جان اور دو قالب ہیں۔
زمین آسمان ایک کرنا	بہت کوشش کرنا	فاروق نے امتحان کی تیاری کے لیے زمین آسمان ایک کر دیے۔
چراغ لے کر ڈھونڈ نا	بہت تلاش کرنا	آج کے زمانے میں سچے لوگ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے ہیں۔
دل سے اترنا	نفرت ہو جانا	جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ دل سے اتر جاتے ہیں۔
زمین پر پاؤں نہ رکھنا	غرور ہونا	کچھ لوگ مالدار ہو جانے پر زمین پر پاؤں نہیں رکھتے ہیں۔
پھوٹ پھوٹ کر رونا	بہت رونا	شاہد امتحان میں ناکام ہونے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
آسمان ٹوٹ پڑنا	سخت مصیبت آنا	ماں باپ کی موت کے بعد بچوں پر آسمان ٹوٹ پڑا۔
آستین کا سانپ ہونا	دوست بن کر دشمنی کرنا	کچھ لوگ بہت قریبی ہوتے ہوئے بھی آستین کا سانپ ہوتے ہیں۔
منہ بھر دینا	رشوت دینا	بعض لوگ اپنا کام نکالنے کے لیے رشوت خوروں کا منہ بھر دیتے ہیں۔
ہاتھ بٹانا	کام میں مدد کرنا	گھر میں سبھی ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

(ii) کہاوت یا ضرب المثل

کہاوتیں یا ضرب المثل سماج کے سیکڑوں سال کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ایک یا چند جملے جو عرصۂ دراز سے کسی خاص موقع پر بار بار بولے جاتے ہیں اوران کے الفاظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر کچھ اور معنی دیتے ہیں ان کو''کہاوت'' یا''ضرب المثل'' کہتے ہیں۔محاوروں کی طرح کہاوتوں میں بھی کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے۔کچھ خاص کہاوتیں اوران کے مفہوم مندرجہ ذیل ہیں۔

کہاوت	مفہوم
آپ کاج مہا کاج	اپنا کام خود کرنے میں زیادہ بہتری ہے۔
الٹا چور کوتوال کوڈانٹے	خود غلطی پر ہوکر بھی دوسروں پر رعب جمانا۔
ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی	لڑائی میں دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ زیادتی رہتی ہے۔
اندھیر نگری چوپٹ راج	اس موقع پر بولتے ہیں جب حد درجہ بدانتظامی ہو۔
آم کے آم گٹھلیوں کے دام	ایک چیز سے دہرا فائدہ اٹھانا۔
بھینس کے آگے بین بجانا	بیوقوفوں کے سامنے عالمانہ باتیں کرنا بےسود ہے۔
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پڑ جانا۔
دودھ کا دودھ پانی کا پانی	پورا پورا انصاف ہونا۔
دور کے ڈھول سہانے	دور کی ہر چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔
سورج کو چراغ دکھانا	عقلمند کو عقل کی بات بتانا

جو گرجتا ہے برستا نہیں	ڈینگ مارنے والا صرف باتیں کرتا ہے کام نہیں۔
گھر کی مرغی دال برابر	گھر کی چیز کے مقابلے میں باہر کی چیز کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔
بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی	برا آدمی اپنے کیے کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔
بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی	وقت پر جو مل جائے وہ اچھا ہے۔
پانچوں انگلیاں گھی میں ہونا	ہر طرح سے فائدہ ہونا۔

(ج)

مترادف اور متضاد الفاظ

(i) مترادف الفاظ

وہ الفاظ جو ایک جیسے معنی رکھتے ہیں مترادف کہلاتے ہیں۔ہم بات میں وزن یا زور پیدا کرنے کے لیے مترادف الفاظ کا ایک ساتھ استعمال کرتے ہیں جن کے معنی تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مترادف الفاظ ایک ساتھ ہی استعمال ہوں۔ یہ الگ الگ بھی لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے معنی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

الفاظ	مترادف
آسمان	چرخ، فلک، عرش، گردوں
آنکھ	نظر، بصر، چشم
پانی	آب، عرق
مہتاب	چاند، قمر، ہلال
سورج	آفتاب، شمس، خورشید، مہر
جنت	بہشت، فردوس، خلد
دوزخ	جہنم، نار
زمین	فرش، ارض، دھرتی

صدا، پکار، ندا	آواز
آرام، چین، سکھ	عیش
فتح، جیت	کامیابی
حیات، ہستی، زیست	زندگی
رفیق، حبیب، یار	دوست
رقیب، حریف	دشمن
تکلیف، درد، کرب	دکھ
وفات، رحلت، اجل	موت
جبل، کوہ، پربت	پہاڑ
درخت، شجر	پیڑ
گدا، مفلس	غریب
کرم، مہربانی، عنایت	رحم
گھمنڈ، تکبر، انا	غرور
مزار، گور، لحد	قبر
مالدار، غنی	امیر
دور، عہد، عصر	زمانہ
عالم، جگ، سنسار	دنیا

خدا	پروردگار، رب، اللہ
گیت	نغمہ، راگ، ترانہ
شک	شبہ، وہم، گمان
عکس	سایہ، پرچھائی، پرتو
بادشاہ	سلطان، شہنشاہ
مٹی	خاک، دھول، گرد، غبار
حسن	جمال،خوبصورتی
تلوار	شمشیر، تیغ، سیف
چہرہ	منھ، صورت، رو، رُخ
آسان	سہل، سلیس
تدبیر	کوشش، علاج،چارہ
سمت	جانب، طرف، رُخ، جہت
انتظام	بندوبست، اہتمام
انجام	خاتمہ، نتیجہ، آخر، انتہا
آتش	آگ، گرمی
نہاں	پوشیدہ، چھپاہوا، خفیہ، مخفی
ثواب	نیکی، بھلائی، جزا

ضرورت	تقاضا،خواہش،طلب
نور	روشنی، رونق، تجلی
رحم	مہربانی، بخشش، ترس
آفت	مصیبت، بلا، ظلم
ضعیف	بوڑھا، کمزور
بہادر	دلیر، سورما، جواں مرد

(ii) متضادالفاظ

متضاد لفظ 'ضد' سے بنا ہے۔جس کے معنی برعکس یا الٹے کے ہوتے ہیں۔ایسے الفاظ جو معنی یا مطلب کے لحاظ سے ایک دوسرے کی 'ضد' یا الٹے ہوں متضاد کہلاتے ہیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
اوّل	آخر	متحرک	ساکت
آگ	پانی	شب	روز
آباد	برباد	شمال	جنوب
آرام	تکلیف	شاد	ناشاد
ازل	ابد	شریف	رذیل
آسمان	زمین	شمس	قمر
اقلیت	اکثریت	صغیر	کبیر
اقرار	انکار	صحیح	غلط
آغاز	انجام	صاف	گندہ
خاص	عام	صبح	شام
خوبصورت	بدصورت	طاقت ور	کمزور
خادم	مخدوم	بہار	خزاں

داخل	خارج	بہادر	بزدل
بعید	قریب	پیری	شباب
دانا	نادان	پرانا	نیا
رنج	راحت	تفصیلی	اجمالی
روشنی	تاریکی	تنگ	کشادہ
سُست	چست	جیت	ہار
سورج	چاند	جاہل	عالم
جزا	سزا	خرید	فروخت
سخی	بخیل	طلوع	غروب
ظاہر	باطن	مہمان	میزبان
عروج	زوال	مدح	ہجو
عزت	ذلت	مسعود	منحوس
عذاب	ثواب	اندر	باہر
عرش	فرش	مہر	ماہ
غافل	ہوشیار	نیک	بد
فتح	شکست	نثر	نظم
فائدہ	نقصان	حلال	حرام

فانی	باقی	تحریر	تقریر
قلت	کثرت	دین	دنیا
قلیل	کثیر	اچھا	برا
قدرتی	مصنوعی	اصل	نقل
مومن	کافر	حقیقی	مجازی
ایمان	کفر	دوست	دشمن
بیش	کم	محبت	نفرت
قید	آزاد	اچھائی	برائی
قدیم	جدید	پاس	دور
گل	خار	ابتر	کمتر
گدا	شہنشاہ	مشرق	مغرب
زندہ	مردہ	زندگی	موت
حیات	وفات	ہموار	ناہموار
مختصر	مفصل		

(د)

رموزِ اوقاف

رموزِ اوقاف ان علامتوں کا نام ہے جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا ایک ہی جملے کے ایک حصّے کو اس کے دوسرے حصّے سے الگ کرتے ہیں۔عبارت میں ان کے استعمال کا فائدہ یہ ہے کہ ان علامتوں کے ذریعے مناسب ٹھہراؤ ہو پاتا ہے،نظر کو اس سے سکون ملتا ہے اور نظر تھکنے نہیں پاتی ہے۔ پڑھنے والا یہ جملے یا اس کے جزو کے اصل مفہوم کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور اس کے ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا ہے۔وقفوں کے لئے جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں ان کے نام، بناوٹ اور موقعِ استعمال مندرجہ ذیل ہیں:-

(ا) سکتہ (،) Comma

سکتہ سب سے مختصر وقفہ کی علامت ہے۔مندرجہ ذیل موقعوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

(الف) ایک ہی طرح کے تین یا تین سے زیادہ الفاظ جو ساتھ۔ساتھ استعمال کئے گئے ہوں ان کے درمیان سکتہ کی علامت کا استعمال ہوتا ہے۔لیکن آخر کے دو لفظوں کو حرف عطف (و)،(اور) یا حرف تردید (یا) کے ذریعے جوڑا گیا ہو۔جیسے۔دریا، پہاڑ و جنگل ۔ چاند، تارے، زمین و آسمان

(ب) ان اسما یا ضمائر کے درمیان سکتہ کا استعمال ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے بدلے میں کام دیتے ہیں جیسے اکبر، ابنِ ہمایوں، شہنشاہِ ہند اجمیر تشریف لائے تھے۔

(ج) جملے کے ان اجزا کے درمیان جو تشریح ہوں، جیسے گودان، پریم چند کا بہترین ناول ہے۔

(۲)ختمہ (۔) Full Stop

ختمہ کی علامت جملہ کے مکمل ہونے اور قاری کے لیے بھرپور ٹھہراؤ کی نشان دہی کرتی ہے۔

مثلاً: جے پور راجستھان کی دارالحکومت ہے۔ جو کہ گلابی شہر کے نام سے مشہور ہے۔

(۳)واوین (" ") Inverted Commas

واوین کی علامت کو حسب ذیل موقعوں پر استعمال کرتے ہیں:۔

(الف) جب کسی کے قول کو اسی کے الفاظ میں لکھنا ہوتا ہے، تو اس عبارت سے پہلے اور آخر میں واوین لگا تے ہیں۔

مثلاً:۔ رشید احمد صدیقی نے کہا تھا کہ: "غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔"

(ب) نثر کے کسی خاص ٹکڑے کو جب اپنی عبارت میں جگہ دینی ہوتی ہے تو اس کو ممتاز کرنے کے لئے اس کے اوّل اور آخر میں واوین لگاتے ہیں۔

(۴)وقفہ (؛) Semi colon

بہت سے الفاظ کے بیچ میں جب سکتہ کی علامت لگی ہو تو کبھی۔ کبھی جملے کے آخری جزو سے طویل وقفے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر سکتہ کی علامت نہ لگا کر جملے کے آخری جزو سے پہلے وقفہ کی علامت لگاتے ہیں۔

مثلاً: دہلی، جے پور، لکھنؤ، بھوپال؛ یہ سبھی شہر دارالسلطنت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۵)رابطہ (:) Colon

رابطہ کا ٹھہراؤ وقفہ کے ٹھہراؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا استعمال حسب ذیل جگہوں پر کرتے ہیں:۔

(الف) کسی قول کو نقل کرنے سے پہلے رابطہ کی علامت لگاتے ہیں۔

جیسے۔مولانا محمد حسین آزاد کا قول ہے کہ:''اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔''

(ب) الفاظ اور ان کے معنی کے بیچ میں رابطہ کی علامت لگاتے ہیں۔

جیسے۔ شاہد: گواہ خالق: پیدا کرنے والا

(ج) مثالوں سے پہلے رابطہ کی علامت لگاتے ہیں۔

جیسے۔جے پور میں بہت سی تاریخی عمارتیں ہیں۔مثلاً: ہوا محل، جے گڑھ، جنتر منتر وغیرہ۔

(٦)تفصیلہ (:-) Colon dash

تفصیلہ کی علامت کا استعمال مندرجہ ذیل جگہوں پر ہوتا ہے:-

(الف) جب کسی اقتباس یا فہرست کو پیش کرنا ہوتا ہے۔

(ب) کسی اصول یا قاعدے کی مثال تحریر کرتے وقت یہ علامت اس وقت استعمال کرتے ہیں جب ''مثلاً'' یا ''جیسے'' نہ لکھا گیا ہو۔

(ا) کسی چیز، شخص اور جگہ کے نام کو اسم کہتے ہیں:۔

کتاب، حامد، اجمیر

(٧)خط(-)Dash

ختمہ کے مقابلے میں خط کی علامت بڑی ہوتی ہے۔کسی لفظ کی وضاحت کے لیے بہت سے الفاظ آجاتے ہیں تو ان کے درمیان خط (Dash) کی علامت لگاتے ہیں۔

مثلاً: گھر کے سبھی افراد والد-والدہ، بھائی-بہن، بیٹا-بیٹی سبھی سو رہے ہیں۔

(۸)قوسین ( ) - [ ] Brackets

قوسین کی علامت جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہے۔

مثلاً۔ میرا قلم (جو تم نے مجھے تحفے میں دیا تھا) کسی نے چوری کرلیا۔

(۹)سوالیہ (؟) Sign of Interrogation

سوالیہ کی علامت سوالیہ جملہ کے بعد لگاتے ہیں۔

مثلاً۔(۱)تم کب آؤ گے؟

(۲) الور میں کون رہتا ہے؟

(۱۰)ندائیہ، فجائیہ (!) Sign of exclamation

جو الفاظ کسی کو مخاطب کرنے یا بلانے کے لئے بولے جاتے ہیں اور جو الفاظ خوشی، غم، نفرت اور تعجّب کا اظہار کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں ان کے آگے بھی ندائیہ، فجائیہ کی علامت کا استعمال ہوتا ہے جیسے

(۱)ارے!، او!، اے!، حضرت!

(۲)ہائے!، افسوس!، بہت خوب!، آہا!

(س)

(i) مضمون نویسی

کسی واقعہ، بات یا موضوع سے متعلق اپنے خیالات کو آسان زبان اور پُر اثر انداز میں تسلسل کے ساتھ لکھنا مضمون نویسی کہلاتی ہے۔ مضمون نویسی ایک فن ہے۔ مضمون کے لئے موضوع کی قید نہیں ہے۔ مضمون نگار مضمون لکھنے سے پہلے موضوع سے متعلق خیالات کو یکجاں کرتا ہے اور انھیں صحیح ترتیب دے کر عمدہ اور پاکیزہ الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے۔

ہدایات:-

ا۔ مضمون لکھنے سے پہلے خاص خاص نکات کا ایک خاکہ ذہن میں بنالینا چاہیے۔

۲۔ خیالات کے اظہار کے لیے عمدہ پُر اثر اور موزوں الفاظ کا استعمال کرنا چاہیے۔

۳۔ مضمون سے متعلق خیالات کو ربط و تسلسل کے ساتھ پیش کیا جائے۔

۴۔ مضمون کی تحریر میں الجھاؤ، الفاظ کی تکرار اور غیر ضروری باتوں سے بچنا چاہیے۔

۵۔ مضمون نگار کو مضمون سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ہونی چاہیے۔

۶۔ مضمون میں ایسی باتوں سے بچنا چاہیے جن سے کسی حکومت، مذہب، فرقہ، معاشرہ اور کسی کے عقائد کو کوئی اعتراض ہو۔

۷۔ پورے مضمون کو ایک پیراگراف میں نہیں لکھ کر بہت سے پیراگراف میں تقسیم کر کے لکھنا چاہیے۔

۸۔ مضمون میں ضرورت کے مطابق کوئی شعر بطور وضاحت لکھنا چاہیے۔

۹۔ مضمون کی شروعات پُر اثر ہونی چاہیے۔

۱۰۔ مضمون کا خاتمہ عمدہ اور پراثر انداز میں ہونا چاہیے۔

۱۱۔ مضمون نگار کو اپنے خیالات پُر اثر انداز اور دلائل کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔

مضمون کے حصّے

مضمون کے تین حصّے ہوتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:-

تمہید، نفسِ مضمون، اختتام۔

(الف) تمہید:-

تمہید کو آغاز بھی کہتے ہیں۔ یہ مضمون کا پہلا اور اہم حصّہ ہے۔ اس میں مضمون کے عنوان کی وضاحت کی جاتی ہے۔ مضمون کا آغاز پُر اثر اور زوردار جملوں سے اس طرح کرنا چاہئیے کہ پڑھنے والا متاثّر ہو کر پورا مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔

(ب) نفسِ مضمون:-

مضمون کا درمیانی حصّہ نفسِ مضمون کہلاتا ہے۔ اس میں مضمون نگار موضوع سے متعلق معلومات کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ مضمون کا یہ سب سے طویل حصّہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مختلف پیراگراف میں بانٹ کر لکھا جاتا ہے۔

(ج) اختتام:-

مضمون کے آخری حصّے کو اختتام کہتے ہیں۔ اسی حصّے میں مضمون نگار اپنے خیالات کا نچوڑ پُر اثر انداز میں پیش کرتا ہے تا کہ پڑھنے والا متاثر ہو کر اپنی رائے آسانی کے ساتھ دے سکے اور کوئی نتیجہ نکال سکے۔ اس لئے آغاز کی طرح اختتام بھی مختصر لیکن دلچسپ ہونا چاہیے۔

مضمون کی قسمیں

عام طور پر مضمون کی تین اہم قسمیں ہوتی ہیں۔جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(الف) بیانیہ مضمون:۔

اس قسم کے مضمون میں کسی چیز، مقام، تہوار، عمارت، جانداروں اور کسی کی شخصیت کا ذکر کیا جائے۔مثلاً آم، ہولی، تاج محل، گائے، ڈاکٹر ذاکر حسین، اے۔پی۔جے عبدالکلام وغیرہ ہوں۔

(ب) حکائیہ مضمون:۔

وہ مضامین جن میں کسی کہانی، واقعہ، تفریح اور سفر کے حالات وغیرہ بیان کیے گئے ہوں۔
جیسے ریل کا سفر، کالج کا میرا پہلا دن، یومِ آزادی، میرا پسندیدہ کھیل

(ج) فکری مضمون:۔

وہ مضامین جن کی بنیاد خیالات اور فکر پر ہوتی ہے اور مضمون نگار اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے فکری مضمون کہلاتے ہیں جیسے تعلیمِ نسواں، اگر میں وزیر اعظم ہوتا وغیرہ۔

(ii) عرضی نویسی

عرضی نویسی بھی پیغام پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ خط کی طرح عرضی نویسی بھی ایک فن ہے۔ عرضی نویسی کو درخواست نویسی بھی کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے ہم اعلیٰ عہدے داروں سے اپنا مدعا اور پریشانی گذارش کرنے کے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی کے ہر شعبے میں اس کا اہم رول ہے۔ یہ سرکاری، تجارتی، غیر سرکاری، ذاتی، ادارے سب جگہ کام آتی ہے۔ الگ الگ جگہ درخواست یا عرضی کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ نفس مضمون جدا ہوتا ہے اور درخواست لکھنے کے طریقے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ درخواست انفرادی اور اجتمائی دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔ درخواست کے اجزائے ترکیبی میں القاب، موضوع، نفسِ مضمون اور اختتامیہ اور درخواست گذار کا نام اور پتہ شامل ہیں۔

(iii) خطوط نویسی

انسان کی زندگی میں خط و کتابت بہت اہم ہے۔اس کے ذریعے ہم اپنے خیالات و جذبات دوسرں تک پہنچاتے ہیں۔ ہر انسان کا اس سے واسطہ پڑتا ہے۔خط نویسی ایک فن ہے۔دور رہنے والوں تک اپنی بات پہنچانے اوران کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے خط و کتابت ایک بہترین ذریعہ ہے۔خط لکھنے والے کو''کاتب''، جو عبارت اس میں لکھی جاتی ہے اسے''مکتوب یا خط''اور جس کو خط لکھا جارہا ہے اسے''مکتوب الیہ'' کہتے ہیں۔

خطوط کے اقسام:-

خطوط تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ا۔ذاتی خطوط

وہ خطوط جنھیں ہم اپنے رشتے داروں، دوستوں، احباب اور جان پہچان والوں کو لکھتے ہیں، ذاتی یا نجی خطوط کہلاتے ہیں۔اُن خطوط میں ہم اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور خوشی اور غم کی اطلاع دیتے ہیں، اپنی خیریت دیتے ہیں اوران کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔

۲۔تجارتی خطوط

وہ خطوط جو تجارت یا کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں تجارتی خطوط کہلاتے ہیں۔تجارتی خطوط کا اصل مقصد تجارت کو فروغ دینا ہوتا ہے۔ان کا مضمون مختصر، عبارت صاف اور دیکھنے میں دلکش ہونا چاہیے۔

۳۔دفتری خطوط

وہ خطوط جو دفتری کاموں سے متعلق ہوتے ہیں ان کو دفتری خطوط کہتے ہیں۔ یہ سرکاری خطوط بھی کہے جاتے ہیں جیسے سرکاری نوٹس،مختلف قسم کی درخواستیں،سَمن ، پروانہ،حکمنامہ وغیرہ

خط کے حصّے :-

عام طور پر خط کو ہم چھ حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:-

ا۔کاتب کا پتہ وتاریخ

ذاتی خط میں حاشیہ چھوڑ کر اوپر دائیں طرف کونے میں کاتب کو اپنا مختصر پتہ و تاریخ لکھنا چاہیے۔ دفتری اور کاروباری خطوط میں خط کے آخر میں بائیں طرف تاریخ و پتہ لکھتے ہیں۔

۲۔القاب

کاتب مکتوب الیہ کو رشتہ،تعلق، دوستی کی بنیاد پر عزت دیتے ہوئے جن لفظوں میں مخاطب کرتا ہے انھیں ’’القاب‘‘ کہتے ہیں۔القاب خط شروع کرنے سے پہلے اوپر بائیں طرف لکھنا چاہیے۔

۳۔آداب

القاب کے بعد جو الفاظ شفقت، دعا،تعظیم اور احترام کے طور پر لکھے جاتے ہیں ان کو آداب کہتے ہیں۔جیسے السلام علیکم، جناب عالی وغیرہ۔

۴۔نفسِ مضمون یا مضمون خط

القاب و آداب کے بعد جو عبارت لکھی جاتی ہے اس کو نفسِ مضمون کہا جاتا ہے۔ یہ خط لکھنے کا اصل مقصد ہوتا ہے۔اس کی پہلی سطر حاشیہ سے ایک انچ آگے بڑھا کر لکھی جاتی ہے۔

۵۔اختتامیہ دعائیہ جملہ

خط کا مضمون پورا ہو جانے کے بعد دعائیہ اور اختتامیہ کلمہ یا جملہ صفحہ کے بائیں حصّے میں لکھا جاتا ہے۔ یہ مکتوب الیہ کے مرتبے کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں جیسے خدا حافظ، دعا گو، آپ کا شاگرد وغیرہ

٦۔نام و پتہ مکتوب الیہ

یہ خط کا آخری اور اہم حصّہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مکتوب الیہ تک خط پہنچنے کا دار و مدار اس کے درست نام و پتہ پر ہوتا ہے۔

حصۂ نظم

ڈاکٹر شاہدالحق چشتی

چند اہم اصنافِ سخن

(i) غزل

غزل اردو شاعری کی سب سے مشہور و مقبول صنف ہے۔ اردو کے تقریباً ہر شاعر نے اس صنف میں زور آزمایا ہے۔ غزل کے لغوی معنی محبوب (دوست) سے حُسن و عشق کی باتیں کرنا ہے۔ لیکن اردو غزل کبھی بھی اپنے اِن محدود معنی میں قید نہیں رہی۔ غزل میں حسن و عشق اور محبوب سے التفات کی باتوں کے بیان کے ساتھ ہی اخلاق و تصوف، فلسفہ و حکمت، سیاست و معاشرت، سماجی و مذہبی مسائل و جذبات و معاملات کی عکاسی بھی کی جاتی رہی ہے۔

ہئیت (بناوٹ) کے اعتبار سے غزل کا پہلا شعر 'مطلع' کہلاتا ہے، جس کے دونوں مصرعوں میں عموماً ردیف و قافیہ پایا جاتا ہے۔ غزل کے لیے قافیہ ہونا لازمی ہے۔ مطلع کے بعد بھی اگر کسی شعر کے دونوں مصرعوں میں ردیف و قافیہ ہو تو اُس شعر کو 'حُسن مطلع' کہتے ہیں اس کے بعد کے اشعار 'فرد' کہلاتے ہیں۔ جن کے محض دوسرے مصرعوں میں ردیف و قافیہ ہوتا ہے۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے اُسے 'مقطع' کہتے ہیں۔ غزل کے سب سے اچھے شعر کو 'بیت الغزل' کہتے ہیں۔ لیکن اس کا انتخاب غزل کہنے یا سُننے والے پر منحصر ہوتا ہے۔

غزل کا ہر شعر اپنے آپ میں ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔ یعنی معنوی اعتبار سے غزل کا ہر شعر مکمل معنی رکھتا ہے۔ اس کا دوسرے اشعار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شاعر ہر شعر میں مختلف موضوعات یا خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہوتی۔ ایک مکمل غزل میں کم از کم پانچ اشعار

ہوتے ہیں۔عموماً غزل میں پانچ ،سات ،نو، گیارہ، تیرہ اور پندرہ اشعار تک ہوتے ہیں اوراس سے زیادہ اشعار بھی ہوسکتے ہیں۔

اردوغزل گوئی کی شروعات حضرت امیر خسروؒ سے ہوتی ہے لیکن ولی دکنی نے اس صنف میں باقاعدہ شاعری کی شروعات کی ۔ میر تقی میر ،مرزا محمد رفیع سودا،خواجہ میر درد نے اس صنف کو عروج پر پہنچایا۔ان کے بعد خواجہ حیدرعلی آتش ،غلام ہمدانی مصحفی، شیخ امام بخش ناسخ ، شیخ محمد ابراہیم ذوق ،مرزا اسداللہ خاں غالب اور حکیم مومن خاں مومن جیسے شعرا نے اس صنف کو معراج بخشی ۔ان کے بعد مولانا حالی ، داغ دہلوی،مولانا حسرت موہانی، جگر مرادآبادی ،فراق گورکھپوری ،فیض احمد فیض ،اصغر گونڈوی، فانی بدایونی وغیرہ نے اس کارواں کو آگے بڑھایا۔تقریباً تین سو برس کی شہرت کے باوجود آج بھی غزل اردوشاعری کی سب سے مشہور صنفِ سخن ہے۔

(ii) نظم

اردو ادب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ نثر اور نظم، عام بول چال اور سادہ زبان کو نثر کہتے ہیں۔ اس کے برعکس کلامِ موزوں (شاعری) کو نظم کہتے ہیں۔ نظم کے لغوی معنیٰ 'لڑی میں پرونا' کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں نظم وہ کلام ہے جس میں قافیہ پایا جائے۔

بناوٹ کے اعتبار سے غزل کے علاوہ شاعری کی دیگر اصناف مثلاً مرثیہ، مثنوی، قصیدہ، رباعی اور مسدس وغیرہ نظم کی ہی قسمیں ہیں۔ لیکن نظم بذاتِ خود صنفِ شاعری میں علاحدہ حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ جیسے پابند نظم، آزاد نظم، نظمِ معریٰ (عاری) نثری نظم وغیرہ وغیرہ۔

بناوٹ کے اعتبار سے نظم کا ہر مصرع مقفّٰی (قافیہ کا پابند) ہوتا ہے۔ اور کئی مصرعوں سے مل کر نظم بنتی ہے۔ جس طرح پھولوں کو لڑی میں پرو کر خوبصورت ہار بنایا جاتا ہے، اسی طرح الفاظ کو مصرعوں کی شکل میں پرو کر موزوں خیال باندھا جاتا ہے۔ معنوی اعتبار سے کسی نظم میں ایک ہی خیال یا موضوع کو قلم بند کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی ایک نظم میں خیالات کا تسلسل ہونا لازمی ہے۔ مختصراً ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نظم میں ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔ نظم میں موضوعات اور خیالات کی کوئی قید نہیں۔ شاعر کسی بھی خیال یا موضوع پر نظم کہہ سکتا ہے۔ اردو نظم میں شعرا نے ہر موضوع اور ہر خیال پر اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔ اسی لیے اس صنف میں مختلف موضوعات مثلاً سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی، تہذیبی و تمدنی، قدرتی مناظر، موسموں، تہواروں کے حالات کے ذکر کے ساتھ ہی میدانِ جنگ کے حالات و واقعات بھی قلم بند کیے

گئے ہیں۔

اردو میں نظم نگاری کی روایت بہت پرانی ہے۔اس کی ابتدا محمد قلی قطب شاہ کے عہد سے ہوگئی تھی۔ لیکن میراں جی، نظیر اکبر آبادی، مولانا حالی ،محمد حسین آزاد ، علامہ اقبال چکبست لکھنوی، جوش ملیح آبادی اورفیض احمد فیض نے اس صنف کوعروج پر پہنچایا۔ان کے بعد اردو نظم نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں مشہور شعرا میں حفیظ جالندھری، احسان دانش، ن۔م۔راشد، میراجی، مجاز لکھنوی، ساحر لدھیانوی، روش صدیقی ،فراق گورکھپوری، اختر شیرانی، سردار جعفری، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر ، جوش ملسیانی، قمر مرادآبادی، گلزار دہلوی وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

(iii) مرثیہ

اردوغزل کی طرح ہی مرثیہ بھی اردوشاعری کی ایک قدیم اورمشہورترین صنفِ سخن ہے۔مرثیہ کےلغوی معنی کسی مرنے والے کی تعریف بیان کرنا ہے۔عام اصطلاح شاعری اوراردولغت میں اس کے دیگرمعنی:وہ نظم جس میں واقعاتِ کربلا کا بیان کیا جائے مرثیہ کہلاتی ہے۔

صنف مرثیہ کی اصل عربی ہے اردوشاعری میں مرثیہ کی روایت فارسی سے اور فارسی میں عربی شاعری کے اثر سے رائج ہوئی۔

اردو میں مرثیہ کی دوقسمیں ہوتی ہیں۔روایتی مرثیہ اورشخصی مرثیہ۔روایتی مرثیہ وہ مرثیہ جس میں واقعات کربلا کا بیان،حضرت امام حسینؓ اورآپ کے ساتھیوں کی شہادت کا بیان نظم کیا جائے۔مرثیہ کی دوسری قسم یعنی شخصی مرثیہ وہ مرثیہ جس میں واقعات کربلا کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے انتقال پراس کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ ہی رنج وغم کا اظہارنظم میں کیا جائے۔اردو میں روایتی مرثیے کثرت سے لکھے گئے ہیں ۔لیکن شخصی مرثیے بھی اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں ۔شخصی مرثیوں میں مرزا غالبؔ کا ’مرثیۂ عارف‘،مولانا حالیؔ کا’مرثیۂ غالب‘ اورعلامہ اقبالؔ کا’مرثیۂ داغؔ‘اہم اورمشہورمرثیے ہیں۔

اردو میں مرثیہ کی ابتدااسی وقت سے ہوگئی تھی جب اردوشاعری وجود میں آئی ۔اردو میں اس وقت ہرشکل وہئیت میں مرثیے لکھے جاتے تھے۔لیکن مرزامحمد رفیع سوداؔ نے اس کومسدس کی شکل میں لکھنا شروع کیا اور بعد میں یہی ہئیت مرثیہ کے لیےمخصوص ہوگئی۔حالانکہ اردو میں دیگرہئیتوں میں بھی مرثیہ لکھے جاتے رہے ہیں ۔مرزا سوداؔ کے بعد میرخلیق اورضمیرؔاوران کے بعد میرانیسؔ اورمرزا دبیرؔ نے اردو مرثیہ نگاری کومعراج بخشی ان شعرا کے بعد اس صنف کوآگے بڑھانے میں مرزا غالبؔ ،مولانا حالیؔ ، مومنؔ،چکبستؔ لکھنوی، جوشؔ ملیح آبادی،حفیظ جالندھری وغیرہ نے اہم کردارادا کیا۔

(iv) مثنوی

مثنوی اردو شاعری کی ایک اہم صنف سخن ہے۔ اردو کی دیگر اصنافِ سخن مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ، وغیرہ عموماً اپنے مخصوص موضوع یا مقصد کے تحت مقید ہو کر رہ گئیں۔ غزل میں عموماً حسن و عشق کی واردات و محبوب سے پیار محبت کی باتیں کرنا، قصیدہ میں کسی کی تعریف و توصیف یا مذمت کرنا اور صنفِ مرثیہ میں عام طور پر واقعاتِ کربلا کا بیان کرنا مقصد رہ گیا۔ لیکن صنفِ مثنوی ہی اردو میں ایک ایسی صنف ہے جس میں ہر موضوع اور ہر طرح کے خیالات و واقعات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

مثنوی کے لغوی معنی 'دو-دو کیا گیا' ہیں۔ یہ ایک طویل اور مسلسل نظم ہے۔ اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ علاحدہ ہوتا ہے۔ اس میں اشعار کی کوئی قید مقرر نہیں۔ مثنوی میں ہر قسم کے واقعات، قصے، مضامین اور خیالات تسلسل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

اردو مثنوی کی ابتدا دکن سے ہوئی اور اس صنف نے وہاں بہت ترقی کی۔ شمالی ہند میں یہ صنف بہت بعد میں آئی۔ لیکن اس کے باوجود اس صنف نے یہاں عروج پایا۔ اردو میں دکن اور شمالی ہند دونوں ہی جگہ ہر موضوع پر بہت اچھی مثنویاں لکھی گئیں۔ اردو میں مذہبی، تاریخی اور عشقیہ مثنویوں کے ساتھ ہی رزمیہ مثنویاں بھی پائی جاتی ہیں۔ دکن میں شاہ میراںؔ جی کی مثنوی ''خوش نامہ''، ملا وجہیؔ کی ''قطب مشتری''، شاہ برہان الدین کی مثنوی ''وصیت الہادی'' اور ابن نشاطیؔ کی مثنوی ''پھول بن'' مشہور ہوئیں۔ اسی طرح شمالی ہند میں اس صنف نے غزل کے بعد بہت زیادہ شہرت پائی۔ یہاں میر تقی میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ اور مومنؔ نے مثنوی کو ترقی دی تو میر حسنؔ دہلوی، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ لکھنوی اور نواب مرزا شوقؔ لکھنوی نے اس صنف کو معراج بخشی۔ اردو کی چند اہم اور بے حد مشہور و مقبول مثنویوں میں میر حسنؔ دہلوی کی ''سحر البیان''، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ کی ''گلزار نسیم''، نواب مرزا شوقؔ لکھنوی کی مثنوی ''زہر عشق'' اور حفیظؔ جالندھری کی مثنوی ''شاہنامہ اسلام'' کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

داغؔ دہلوی

نواب مرزا خاں نام اور داغؔ تخلّص ۔۱۲، ذی الحجہ ۱۲۴۶ ہجری مطابق ۲۵؍مئی ۱۸۳۱ء کو بمقام چاندنی چوک دہلی ولادت پائی۔ آپکے والد کا نام نواب شمس الدین احمد خاں تھا جن کا شمار لوہارو کے روٗساء میں ہوتا تھا۔ داغؔ کی والدہ کا نام وزیر بیگم تھا جنھیں عرفِ عام میں چھوٹی بیگم کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔ داغؔ کے سر سے محض سات برس کی عمر میں والد کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا تو داغؔ کے چچا نواب یوسف علی خاں نے اُن کی پرورش کی۔ ۱۸۸۴ء میں جب داغؔ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفؔر کے بیٹے مرزا فخرو سے عقد ثانی کر لیا تو وہ اپنی والدہ کے ساتھ لال قلعے میں رہنے لگے۔

داغؔ کی ابتدائی تعلیم اُردو اور فارسی میں غیاث الدین نامی ایک عالم شخص کی نگرانی میں ہوئی۔ قلعۂ مُعلّیٰ میں داغؔ کی شادی اُن کی خالہ زاد بہن فاطمہ بیگم سے ہوئی۔

۱۸۵۷ء میں جب دہلی کی فضا پر مایوسی و محرومی کے بادل گھرنے لگے تو داغؔ ریاست رام پور چلے گیے۔ یہاں انھیں داروغۂ فراش خانہ و اصطبل کے عہدے پر مقرّر کیا گیا۔ رام پور سے داغؔ حیدر آباد (دکن) چلے گئے جہاں انھیں نواب محبوب علی خاں کا استادِ سخن مقرّر کیا گیا۔ حیدر آباد ہی میں ۱۶؍فروری ۱۹۰۵ء کو داغؔ کا انتقال ہوا۔

داغؔ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ آپ نے ابتداء میں مرزا زین العابدین عارفؔ کی شاگردی قبول کی۔ لیکن بعد میں مرزا فخرو نے انھیں ذوقؔ دہلوی کی شاگردی میں دے دیا۔ داغؔ کی شاعری کے چار دیوان بہ عنوان ''گلزارِ داغؔ''، ''آفتابِ داغؔ''، ''مہتابِ داغؔ'' اور ''یادگارِ داغؔ''

شائع ہوئے۔انھوں نے ''فریادِ داغؔ'' کے عنوان سے ایک مثنوی یادگار چھوڑی ہے۔

داغؔ نے غزل گوئی میں خوب دھوم مچائی اور مثنوی کے علاوہ دیگر اصناف میں کمال دکھایا۔زیرِ نظر درسی انتخاب میں شامل 'حمد' میں داغؔ کے جذبات قابلِ تعریف ہیں۔حمد اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان کی جاتی ہے۔

داغؔ دہلوی

حمد

یارب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا
محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا

جب تک ہے دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری
جب تک زباں ہے مُنہ میں جاری ہو نام تیرا

ہے تُو ہی دینے والا پستی سے دے بلندی
اسفل مقام میرا، اعلیٰ مقام تیرا

یہ داغؔ بھی نہ ہوگا تیرے سِوا کسی کا
کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
رب	خدا، اللہ، باری تعالیٰ
محروم	نا کام، نا اُمیّد، مایوس
دم	سانس، نفس، لحظہ
پستی	رزالت، غار
بلندی	اونچائی، برتری، درازی
اسفل	کم تر، ادنیٰ
اعلیٰ	اونچا، بلند
مقام	مسکن، ٹھکانہ، جگہ
سِوا	بغیر، علاوہ، بجز
کونین	دونوں جہاں، ہر دوسرا
تمام	کُل، سب

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ رب کسے کہتے ہیں؟

۲۔ شاعر اللہ تعالیٰ کے نام کو کب تک جاری رکھنا چاہتا ہے؟

۳۔ بندے کو بخش دینا کس کا کام ہے؟

۴۔ داغؔ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

مختصر سوالات:

۵۔ لفظ ''رب'' کے مترادف الفاظ لکھیے۔

۶۔ لفظ ''بلندی'' کے متضاد الفاظ لکھیے۔

۷۔ ''حمد'' کسے کہتے ہیں؟

۸۔ کونین کا مطلب کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ شامل نصاب ''حمد'' کے آخری دو (۲) اشعار کا مطلب لکھیے۔

۱۰۔ شامل نصاب ''حمد'' کا خلاصہ لکھیے۔

۱۱۔ داغؔ دہلوی کی مختصر سوانح عمری لکھیے۔

۱۲۔ داغؔ دہلوی کی شاعری کی چند خصوصیات لکھیے۔

بہزادؔ لکھنوی

سردار احمد خاں نام اور بہزادؔ تخلّص ۔ بہزادؔ کی ولادت ۱۹۰۰ء میں اُن کے خاندانی مکان امین آباد پارک لکھنؤ میں ہوئی ۔ بہزادؔ کے والد کا نام ساجد حسین تھا جو چراغؔ تخلّص فرماتے تھے ۔ چونکہ گھر میں شعر و شاعری کا ماحول تھا اِس لیے بہزادؔ نو برس کی عمر میں شعر کہنے لگے ۔ بہزادؔ کے سوانحی کوائف پر روشنی ڈالتے ہوئے مالک رام نے لکھا ہے کہ ''اُن کے خاندان کا بریلی کی درگاہِ نیاز یہ سے پرانا تعلق تھا، یہ بھی وہیں مرید تھے اس لیے نماز روزے کے سختی سے پابند تھے ۔''

بہزادؔ نے کلکتہ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی تھی ۔ پڑھائی ختم ہونے پر آپ ایسٹ انڈیا ریلوے میں ٹی ۔ ٹی ۔ ای کی حیثیت سے ملازم ہوئے لیکن صحت کی خرابی کے سبب اِس ملازمت کو چھوڑ کر دہلی چلے آئے ۔ یہاں اُن کی ملاقات مشہور ترقی پسند شاعر مجازؔ لکھنوی سے ہوئی جن کی عنایت سے بہزادؔ کو آل انڈیا ریڈیو میں نوکری مل گئی ۔ جہاں انھیں مضمون نگاری (اسکرپٹ رائیٹنگ) کے لیے مقرر کیا گیا ۔۱۹۴۰ء میں بہزادؔ اس نوکری کو چھوڑ کر پنچولی فلم کمپنی لاہور میں مکالمہ نویسی کے لیے مقرر ہوئے ۔ تقسیم ہند کے بعد بہزادؔ ۱۹۵۱ء میں ترکِ وطن کر کے کراچی چلے گیے جہاں ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ آپ کا انتقال ہو گیا ۔

بہزادؔ کے ۳۳ شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں ۔ جن میں ''نغمۂ نور''، ''موجِ طہور'' اور ''چراغِ طور'' بہت مقبول ہوئے ۔ بہزادؔ نے یُوں تو غزل، نظم اور گیت وغیرہ اصناف میں شعری سرمایہ یادگار چھوڑا ہے لیکن انھیں نعت گو شاعر کی حیثیت سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ۔ نعت اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسّلم کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے ۔ زیرِ نظر نعت بہزادؔ کی مشہور تخلیق ہے جسے زبان زدِ خاص و عام کا درجہ حاصل ہے ۔ اس نعت کا ہر شعر عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے ۔

بہزادؔ لکھنوی

نعت شریف

مدینے کو جائیں، یہ جی چاہتا ہے
مُقدّر بنائیں، یہ جی چاہتا ہے
محمد کی باتیں، محمد کی سیرت
سُنیں اور سُنائیں، یہ جی چاہتا ہے
جہاں دونوں عالم ہیں محوِ تمنّا
وہاں سر جھُکائیں، یہ جی چاہتا ہے
مدینے کے آقا، دوعالم کے مولا
تیرے پاس آئیں، یہ جی چاہتا ہے
دلوں سے جو نکلیں، دیارِ نبی میں
سُنیں وہ صدائیں، یہ جی چاہتا ہے
درِ پاک کے سامنے دل کو تھامے
کریں ہم دُعائیں، یہ جی چاہتا ہے
پہنچ جائیں بہزادؔ جب ہم مدینے
تو خود کو نہ پائیں، یہ جی چاہتا ہے

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
عنایت	لطف، مہربانی، کرم فرمائی
ترک کرنا	چھوڑنا، درگزر کرنا
مکالمہ نویسی	ناٹک یا ڈرامہ کے لیے ڈائلاگ لکھنا
وابستہ	بندھا ہوا، متعلق، ملازم، نوکر
شعری مجموعہ	وہ کتاب جس میں کسی شاعر کی تخلیقات یکجا یا جمع ہوتی ہیں
سرمایہ	دولت، پُونجی، زرِ اصل
تخلیق	پیدائش، کسی مصّنف یا شاعر کا طبع زاد فن پارہ
زبان زدِ خاص و عام	جو عام اور خاص لوگوں کی زبان پر ہو یعنی مشہور و معروف
دونوں عالم/دو عالم	دونوں جہاں یعنی دنیا اور عقبیٰ
محوِ تمنّا	فکر میں ڈوب جانا، گُم ہو جانا، کھو جانا، فریفتہ ہو جانا
سیرت	عادت، خصلت، وصف، خوبی
آقا	مالک، صاحب، خداوند، افسر
مولا	مالک، آقا، والی، سردار
دیارِ نبی	نبی کا شہر یا ملک یعنی مدینہ شریف
صدائیں	گونج، آواز، آہٹ

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ بہزاؔد لکھنوی کا اصل نام کیا تھا؟

۲۔ شاعر کا جی کہاں جانے کو چاہتا ہے؟

۳۔ بہزاؔد لکھنوی کی ولادت کب اور کہاں ہوئی؟

۴۔ شاعر کس کی باتیں اور سیرت سُننے اور سُنانے کا خواہش مند ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ بہزاؔد لکھنوی نے کن کن محکموں میں ملازمت کی تھی؟

۶۔ نعت کسے کہتے ہیں؟

۷۔ بہزاؔد لکھنوی کے تین شعری مجموعوں کے نام لکھیے۔

۸۔ ''زبان زدِ خاص و عام'' کسے کہتے ہیں؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ نصاب میں شامل نعت کے ابتدائی تین اشعار کا مطلب لکھیے۔

۱۰۔ بہزاؔد لکھنوی کے سوانحی حالات لکھیے۔

۱۱۔ نصاب میں شامل نعت کا خلاصہ لکھیے۔

۱۲۔ نصاب میں شامل نعت کو پڑھ کر آپ کو کیا تعلیم حاصل ہوتی ہے؟

نظیؔر اکبرآبادی

نظیؔر اکبرآبادی کا اصل نام ولی محمد تھا۔نظیؔر ۱۷۴۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام شیخ محمد فاروق تھا۔احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت اپنی ماں کو لے کر نظیؔر اکبرآباد(آگرہ) چلے آئے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔نظیؔر کا پیشہ معلّمی تھا۔وہ درویش صفت انسان تھے۔ان کو سیر سپاٹے کا بہت شوق تھا۔یہ تیراکی، کبوتر بازی، کُشتی اور کنکوے بازی وغیرہ کھیل کود میں حصہ لیتے اور ہر میلے اور تہوار میں شریک ہوتے تھے۔نظیؔر اپنے مذہب کے ساتھ ہی دیگر مذاہب کا بھی احترام کرتے تھے۔انہوں نے جہاں رسول اکرمؐ اور پیروں، ولیوں کی شان میں نظمیں لکھیں وہیں شری کرشن، مہادیو اور گرونانک کو بھی اپنی شاعری سے خراجِ عقیدت پیش کیا۔عید الفطر، عید الاضحیٰ، شبِ برأت کے ساتھ ساتھ ان کے لیے ہولی، دیوالی، راکھی اور جنم اشٹمی بھی ان کے اپنے تہوار تھے۔ان سبھی تہواروں پر نظیؔر نے نظمیں لکھیں۔ عوامی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جس سے نظیؔر بے تعلق رہے ہوں۔اسی لیے نظیؔر کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔نظیؔر نے عمر کے آخری دنوں میں مدرسی کی۔۱۸۳۰ء میں آگرہ میں ان کا انتقال ہوا۔

نظیؔر اکبرآبادی نظم کے شاعر ہیں انہوں نے میلوں، تہواروں، موسموں، پھلوں اور زندگی سے متعلق دیگر چیزوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ان کی شاعری میں ہندوستانی ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔نظیؔر نے اپنی نظموں میں عام بول چال کی زبان کا استعمال کیا ہے۔ان کا ذخیرۂ الفاظ بے حد وسیع ہے۔آدمی نامہ، بنجارا نامہ، ہنس نامہ، روٹیاں، مفلسی، ہولی، کرشن کنہیا کا بالپن، ریچھ کا بچہ، گلہری کا بچہ،

تربوز، تیراکی، کورابرتن وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

نظیر اکبرآبادی نے نظم ''عیدالفطر'' میں رمضان کے تیس روزوں کے بعد آنے والی عید کی خوشی کا منظر بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

عید کا چاند دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوتے ہیں اور عید کے دن چھوٹے بڑے اور امیر غریب سب لوگ گلے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی

عیدالفطر

ہے عابدوں کو طاعت تجرید کی خوشی　　اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی اُمّید کی خوشی　　کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برأت نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خُشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال　　خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید گال　　دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال
ایسی نہ شب برأت نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے　　شیر و شکر سیویاں پکانے کی دھوم ہے
پیرو جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے　　لڑکوں کو عیدگاہ کے جانے کی دھوم ہے
ایسی نہ شب برأت نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر　　تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا و زیر　　دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر
ایسی نہ شب برأت نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

معنی	لفظ
تنہائی،خلوت	تجرید
عبادت کرنے والا	عابد
بندگی،عبادت	طاعت
پرہیزگار،متقی	زاہد
ملاقات	وصل
چاند،قمر	ہِلال
قیدی	اسیر
دل پسند	دل پذیر
خوش،بےغم	شاد
فقیر	گدا
دیکھنا،نگاہ	دید

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ نظم ''عیدالفطر'' کس نے لکھی ہے؟

۲۔ نظیراکبرآبادی کا پورا نام کیا ہے؟

۳۔ عید کے دن نہانے کی دھوم کب ہوتی ہے؟

۴۔ لفظ 'عابد' کے معنی بتایئے۔

مختصر سوالات:

۵۔ پیر و جواں اور لڑکوں کو کس بات کی خوشی تھی؟

۶۔ عید کے دن کون کون لوگ شاد ہوتے ہیں؟

۷۔ ''روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر'' سے کیا مراد ہے؟

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

وصل۔ اسیر۔ شاد۔ گدا۔ سچ۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ نظم عیدالفطر کا خلاصہ لکھیے۔

۱۰۔ نظیراکبرآبادی کے حالاتِ زندگی لکھیے۔

۱۱۔ نظم ''عیدالفطر'' کے آخر کے دو بندوں کی تشریح کیجیے۔

۱۲۔ عیدالفطر کے دن کا بیان اپنے الفاظ میں لکھیے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ

مولانا محمد حسین آزادؔ ۱۸۳۰ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔محمد حسین نام اور آزادؔ تخلص تھا۔ ان کے والد مولوی محمد باقر دہلی کے مشہور عالم دین اور قابلِ قدر صحافی تھے۔انہوں نے ۱۸۳۷ء میں دہلی سے ''دہلی اردو اخبار'' نکالا۔اس میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی حمایت کی گئی تھی۔انگریزوں نے باقر صاحب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔یہ آزادی کی خاطر پہلے شہید صحافی بنے۔ذوقؔ سے باقر صاحب کے گہرے مراسم تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے کو ذوقؔ کا شاگرد بنایا۔آزادؔ پہلے شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کی شاگردی میں رہے پھر حکیم آغا جان عیشؔ کے شاگرد ہوئے۔آزادؔ نے دہلی کالج سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہندوستانیوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا آزادؔ کے حصّے میں وہ کچھ زیادہ ہی آئیں۔انھوں نے ترکِ وطن کیا اور بہت دنوں در بدر کی ٹھوکریں کھائیں۔آخر کار لاہور پہنچے اور محکمۂ تعلیم میں نوکر ہو گئے۔آزادؔ نے محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں لاہور میں انجمنِ پنجاب کی بنیاد ڈالی اور ۱۸۷۴ء میں ''بزمِ مناظمہ'' کی شروعات کی اس میں مصرعۂ طرح کے بجائے نظمیں لکھنے کے لیے موضوع دیا جاتا تھا۔اس طرح اردو شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ان کی ادبی خدمات کے صلے میں حکومت نے انھیں ۱۸۸۷ء میں ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا۔جوان بیٹی کی بے وقت موت سے آزادؔ کو گہرا صدمہ لگا اور ان پر جنون طاری ہو گیا اسی حالت میں ۱۹۱۰ء میں لاہور میں ان کی وفات ہوئی۔

آزادؔ نے نثر و نظم دونوں میں لکھا ہے۔نثری تصانیف میں آبِ حیات، نیرنگِ خیال،

سخن دانِ فارس، دربارِ اکبری وغیرہ مشہور ہیں۔نظم ''دل افروز'' اور ''نظمِ آزاد'' ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔'شبِ قدر'، 'صبحِ امید'، 'گنجِ قناعت'، 'دادوانصاف' اور 'خوابِ امن' ان کی مشہور مثنویاں ہیں۔

مولانا آزادؔ جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ سادہ ہونے کے باوجود دلکش ہوتی ہے۔منظر نگاری میں ان کو کمال حاصل تھا۔ان کی شاعری فطرت پرستی،حق پسندی اور حیاتِ انسانی کی تفسیر ہے۔

نظم ''محنت کرو'' میں آزادؔ نے منفرد انداز میں مختلف مثالیں اور دلیلیں دے کر انسانوں اور خاص کر طالب علموں کو محنت کی اہمیت بتاتے ہوئے محنت کرنے کا درس دیا ہے۔

محمد حسین آزاد

محنت کرو

ہے امتحان سر پر کھڑا محنت کرو محنت کرو
باندھو کمر بیٹھے ہو کیا محنت کرو محنت کرو

بے شک پڑھائی ہے سوا اور وقت ہے تھوڑا رہا
ہے ایسی مشکل بات کیا محنت کرو محنت کرو

شکوے شکایت جو کہ تھے تم نے کہے ہم نے سنے
جو کچھ ہوا اچھا ہوا محنت کرو محنت کرو

محنت کرو انعام لو انعام پر اکرام لو
جو چاہو گے مل جائے گا محنت کرو محنت کرو

جو بیٹھ جائیں ہار کر کہہ دو انہیں للکار کر
ہمت کا کوڑا مار کر محنت کرو محنت کرو

تدبیریں ساری کر چکے باتوں کے دریا بہہ چکے
بک بک سے اب کیا فائدہ محنت محنت کرو

یہ بیج اگر ڈالو گے تو دل سے اُسے پالو گے تم
دیکھو گے پھر اس کا مزا محنت کرو محنت کرو

محنت جو کی جی توڑ کر ہر شوق سے منہ موڑ کر
کردو گے دم میں فیصلہ محنت کرو محنت کرو

کھیتی ہو یا سوداگری ہو بھیک یا ہو چاکری
سب کا سبق یکساں سنا محنت کرو محنت کرو

جس دن بڑے تم ہو گئے دنیا کے دھندوں میں پھنسے
پڑھنے کی پھر فرصت کجا محنت کرو محنت کرو

بچپن رہا کس کا سدا انجام کو سوچو ذرا
یہ تو کہو کھاؤ گے کیا محنت کرو محنت کرو

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
صحافی	اخبار نویس
حمایت	طرف داری
مراسم	تعلقات، میل جول
محکمہ	ڈپارٹمنٹ، سررشتہ، صیغہ، شعبہ
سِوا	زیادہ، بغیر
شکوہ	شکایت، گلہ
اکرام	بخشش، عزت، کرم
للکار	پکار، دھمکی، جھڑکی
تدبیر	تجویز، علاج، چارہ
سوداگر	بیوپاری، تاجر
چاکری	ملازمت، خدمت گاری
یکساں	ایک سا، مانند، برابر
فرصت	مہلت
سدا	ہمیشہ، دائم
انجام	نتیجہ، خاتمہ

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ نظم ''محنت کرو'' کس نے لکھی ہے؟

۲۔ مولانا محمد حسین آزادؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

۳۔ ''بچپن رہا کس کا سدا انجام کو سوچو ذرا'' یہاں سدا کے کیا معنی ہیں؟

۴۔ مولانا محمد حسین آزادؔ کے دو شعری مجموعوں کے نام لکھیے۔

مختصر سوالات:

۵۔ شاعر کے مطابق انعام و اکرام کب حاصل ہوتا ہے؟

۶۔ نظم ''محنت کرو'' سے شاعر نے کیا اور کسے پیغام دیا ہے؟

۷۔ شاعر نے کسے کوڑا مار کر محنت کرنے کا مطالبہ کیا ہے؟

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

مشکل۔ بچپن۔ فائدہ۔ انجام۔ فرصت۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ نظم ''محنت کرو'' کا خلاصہ لکھیے۔

۱۰۔ نظم ''محنت کرو'' میں شاعر نے طالب علم کی حوصلہ افزائی کیسے کی ہے؟

۱۱۔ مولانا محمد آزادؔ کے حالاتِ زندگی لکھیے۔

۱۲۔ نظم کے ابتدائی چار اشعار کی تشریح کیجیے۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ

علاّ مہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ ۹ رنومبر ۱۸۷۷ء کو سیال کوٹ پنجاب (جواب پاکستان میں ہے) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا نام شیخ محمد اقبال اور اقبال ہی تخلص تھا۔ والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ اقبالؔ کی ابتدائی تعلیم گھر کے علمی و مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ابتدا میں عربی و فارسی پڑھی۔ اس کے بعد مشن کالج سیال کوٹ میں داخلہ لیا اور شروعات میں ہی مشرقی علوم کے استاد مولوی سید میر حسن جیسے عظیم استاد و مشفق بزرگ سے فائدہ حاصل کیا۔ اس کے بعد اقبالؔ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے کر بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کے امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کیے۔ ایم۔ اے۔ پاس کرنے کے فوراً بعد اورینٹل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی اور فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں انگلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں پر لندن سے بیرسٹری کا امتحان اور کیمبرج یونی ورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں واپس ہندوستان لوٹ آئے اور یہاں آکر وکالت شروع کی۔ ۱۹۲۳ء میں حکومتِ برطانیہ نے انھیں ''سر'' کا خطاب دیا۔ ۲۱ راپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور لاہور کی بادشاہی مسجد کے قریب ہی سُپردِ خاک کیے گئے۔

علاّ مہ اقبالؔ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ عام روایت کے مطابق اقبالؔ نے بھی شاعری کی شروعات غزل گوئی سے کی۔ اور اپنے استاد مولوی سید میر حسن اور داغؔ دہلوی جیسے باکمال شعرا سے اصلاح لینا شروع کیا۔ آگے چل کر اقبالؔ نے غزل کے بجائے نظم کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اقبالؔ نے اپنی نظم نگاری میں تخیل کی عظمت، وسعتِ نظر، رفعتِ فکر کے جذبات و خیالات کے ساتھ

ہی فلسفہ وعمل کو بنیادی حیثیت عطا کی۔اقبالؔ کے کلام میں میرؔ کا سوز و گداز، دردؔ کی تاثیر، غالبؔ کی جدّت طرازی اور نکتہ آفرینی، مومنؔ کی نازک خیالی اور ذوقؔ دہلوی کی روانی، یہ تمام خصوصیات بیک وقت پائی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ بھی آپ نے قومی و وطنی شاعری کر کے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے اور ہندوستان کی عظمت کے گیت لکھ کر مجاہدینِ آزادی کو آزادی کی نئی راہیں دکھائیں۔

شامل نصاب نظم 'پرندے کی فریاد' علاّمہ اقبالؔ کی نہایت آسان اور مشہور نظموں میں سے ہے۔جو انہوں نے خصوصاً بچوں کے لیے لکھی تھی۔اِس نظم کے ذریعہ اقبالؔ نے وقت کی اہمیت کے ساتھ ہی آزادی کی قدر و قیمت اور غلامی کی مصیبتوں کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔

علّامہ اقبالؔ

پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

لگتی ہے چوٹ دل پر، آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مُسکرانا

وہ پیاری پیاری صورت، وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

آتی نہیں صدائیں اُس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

گانا اِسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سُننے والے
دُکھّے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی، تو چھوڑ کر دعا لے

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
شبنم	اوس
کامنی	نہایت خوبصورت
آشیانہ	گھونسلا،نشیمن
قفس	پنجرا،قید خانہ
فریاد	دُہائی
بےزباں	حیوان،جانور

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ اس نظم کا عنوان بتایئے۔
۲۔ یہ نظم کس شاعر نے لکھی ہے؟
۳۔ پرندہ کو کون سا زمانہ یاد آرہا ہے؟
۴۔ پرندہ کس چیز کو ترس رہا ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ علامہ اقبالؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟
۶۔ علامہ اقبالؔ کی کن ہی چار نظموں کے نام بتایئے۔
۷۔ اس نظم میں استعمال ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتایئے۔
شبنم۔ آشیانہ۔ دُکھڑا۔ قفس۔
۸۔ چمن چھوٹنے کے بعد پرندے کی کیا حالت ہوگئی ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ علامہ اقبالؔ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالیے۔
۱۰۔ علامہ اقبالؔ کی نظم نگاری کی خوبیاں مختصراً بتایئے۔
۱۱۔ نظم ''پرندے کی فریاد'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۱۲۔ نظم ''پرندے کی فریاد'' کے آخری بند کا مطلب لکھیے۔

حفیظؔ جالندھری

محمد حفیظ نام، حفیظؔ تخلّص فرماتے تھے۔صوبۂ پنجاب کے شہر جالندھر میں ۱۹۰۰ء میں ولادت پائی۔حفیظؔ کی تعلیم وتربیت جالندھر میں ہوئی۔چونکہ آپ کو بچپن ہی سے شعروشاعری کا شوق تھا اس لیے اپنے عہد کے معروف شاعر مولانا غلام قادر گرامی کی شاگردی قبول کی۔شعروشاعری کے علاوہ آپ کو سیاحت کا بھی بہت شوق تھا اِسی لیے آپ نے ۱۹۳۸ء میں یورپ کا سفر کیا۔یہاں آپ نے مغربی تہذیب کو نزدیک سے دیکھا تو اپنے قیامِ یورپ کے دوران ایسی نظمیں تخلیق کیں جو مشرقی اور مغربی تہذیب کا تقابل کرتی ہیں،ان میں ''افرنگ کی دنیا'' اور ''اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے'' قابل ذکر ہیں۔حفیظؔ نے یُوں تو غزل،نظم،قطعہ،رباعی،گیت اور بعض دیگر اصناف میں کثیر تعداد کلام یادگار چھوڑا ہے لیکن انھیں اپنی شاہ کار نظم ''شاہ نامۂ اسلام'' کے ذریعے پایۂ اعتبار حاصل ہُوا۔یہ نظم مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔حفیظؔ نے ۱۹۸۲ء میں انتقال فرمایا۔

نظم ''کم زور کی مدد'' اگرچہ بہت مختصر تخلیق ہے لیکن اس کی تاثیر بہت گہری ہے۔شاعر نے بچّوں کو یہ اخلاقی درس دینے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں ہمیشہ کم زور اور غریب لوگوں کی مدد کرنا چاہیے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسّلم نے بھی نادار اور ناتواں لوگوں پر مہربانی کا پیغام دیا ہے۔اسی پیغام کو حفیظؔ جالندھری نے اس نظم کے ذریعے نونہالوں تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

حفیظؔ جالندھری

کم زور کی مدد

جب شام کی سیاہی آجائے آسماں پر
اک کالی کالی چادر چھاجائے ہر مکاں پر
اُس وقت ایک لڑکا کم زور اور لاغر
تم کو دکھائی دے گا پھِر تا ہُواسڑک پر
یہ وقت رات کا ہے اور رات ہے ڈراتی
اُس وقت تم کو اُس پر لازم ہے مہربانی
اپنے سے کچھ بچاکر دے دو اُسے نِوالا
خوش تم پہ اس سے ہوگا اللہ دینے والا

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
سیاحت	سفر،سیر
قیام	سُکونت، بسیرا، ٹھہراؤ
افرنگ	انگریز، یُورپی
تقابل	مقابلہ کرنا،آمنے سامنے پیش کر کے مثال دینا
شاہ کار	سب سے بڑا کارنامہ
پایۂ اعتبار	عزّت،رتبہ،منصب کے لحاظ سے جس پر یقین کیا جائے
ہیئت	شکل وصورت، بناوٹ
اخلاقی درس	اچھّے برتاؤ اور اچھی عادت یعنی ملنساری کا سبق دینا
نونہالوں	نونہال کی جمع یعنی نیا درخت،کم عمر بچّہ
مدد	سہارا،اعنانت
سیاہی	تاریکی،اندھیرا،وقتِ شام
لاغر	کم زور،ناتواں،دُبلا پتلا
لازم	ضروری، واجب،فرض
مہربانی	عنایت،نوازش،کرم،التفات
نوالا	لُقمہ،کھانے کے لیے ٹکڑا توڑنا

مشقی سوالات

مختصرترین سوالات:

۱۔ نظم ''کم زور کی مدد'' کے شاعر کا کیا نام ہے؟

۲۔ لفظ مدد کی جمع لکھیے۔

۳۔ شاعر نے سڑک پر پھرتا ہُوا کِسے کہا ہے؟

۴۔ آسمان پر کس وقت سیاہی چھاتی ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ لفظ ''لاغر'' کے مترادف الفاظ لکھیے۔

۶۔ لفظ ''مہربان'' کے متضاد الفاظ لکھیے۔

۷۔ ہمیں کم زور کے ساتھ کیسا سُلوک کرنا چاہیے؟

۸۔ شاعر نے کم زور اور لاغر بچّے کو نوالا دینے کے لیے کیوں کہا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ نظم ''کم زور کی مدد'' کا خلاصہ لکھیے۔

۱۰۔ نظم ''کم زور کی مدد'' کے ابتدائی چار اشعار کا مطلب لکھیے۔

۱۱۔ حفیظؔ جالندھری کی سوانح عمری تحریر کیجیے۔

۱۲۔ حفیظؔ جالندھری کی شاعری کی چند اہم خصوصیات لکھیے۔

سورج نرائن مہرؔ

سورج نرائن نام، مہرؔ تخلّص۔ ۱۸۶۳ء میں بمقام دہلی ولادت پائی۔ تعلیم، تربیت اور پرورش بھی دہلی میں ہوئی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر صوبۂ پنجاب کے محکمۂ تعلیم میں ملازمت حاصل کی۔ محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہونے کے سبب مہرؔ کو بچّوں کی نفسیات کو قریب سے سمجھنے کا موقع ملا اسی لیے آپ نے بچّوں کے لیے مختلف موضوعات پر نہ صرف نظمیں تخلیق کیں بلکہ اہم موضوعات پر لکھی انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے بھی کیے۔

نظم نگاری کے علاوہ مہرؔ نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور قطعہ وغیرہ اصناف میں بھی طبع آزمائی کی لیکن اُن کے شاعرانہ جوہر میدانِ نظم گوئی میں کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مہرؔ کی نظمیں اخلاقی و انسانی درس دیتی ہیں۔ یہ نظمیں حُبّ الوطنی، قومی یکجہتی اور انسان دوستی کی عمدہ مثالیں پیش کرتی ہیں۔

چونکہ مہرؔ نے اپنی بیش تر نظمیں بچّوں کے لیے تخلیق یا ترجمہ کی ہیں اس لیے ان نظموں میں سلاست، روانی اور سادگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مہرؔ نے ۱۹۳۳ء میں اس دارِفانی سے کُوچ کیا۔

نظم ''بہادر بنو'' مہرؔ کی نمائندہ نظموں میں شمار ہوتی ہے، شاعر نے اس نظم کے حوالے سے بچّوں کو ہر قسم کی بُرائی سے دور رہ کر صداقت بھری زندگی گزارنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بچّوں کو چاہیے کہ اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو انھیں کسی قسم کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ ہر بات اپنے اُستاد اور والدین کو سچ سچ بتا دینی چاہیے۔ بچّوں کو کوئی بات مُنہ سے نکالنے سے قبل لفظوں پر غور کر لینا چاہیے۔ گالی گلوچ، جھوٹ اور فریب سے بچنا چاہیے۔ علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوتی اس لیے خوب دل لگا کر پڑھنا چاہیے۔ محنت و مشقّت سے کام لیتے ہوئے اپنی بہادری کا ثبوت دینا چاہیے۔

سورج نرائن مہرؔ

بہادر بنو

بُرا کام کوئی نہ ہرگز کرو تم بُری بات ہرگز نہ مُنہ سے کہوتم
صداقت کے رستے پہ سیدھے چلوتم کرو عہد تو اُس پہ قائم رہو تم
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم
خطا ہوگئی تو نہ اُس کو چھپاؤ نہ جھوٹے بہانے کبھی تم بناؤ
کہاں چھپتے پھرتے ہومیداں میں آؤ جواستاد پوچھے وہ سچ سچ بتاؤ
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم
کہو کچھ کسی سے تو لفظوں کو تولو کبھی گالیوں پر نہ مُنہ اپنا کھولو
کبھی بھول کر بھی نہ تم جھوٹ بولو جو میری سُنو سیدھے رستے پہ ہولو
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم
سبق یاد کرنا نہ سمجھو مصیبت مصیبت کہاں یہ تو ہے عینِ راحت
نہیں علم سے بڑھ کے دنیا میں نعمت کرو خوب محنت! کرو خوب محنت
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم
تُمھیں مدرسے کا ہے سب کام کرنا تُمھیں علم کی راہ سے ہے گزرنا
تُمھیں امتحاں کا ہے دریا اُترنا نہ محنت سے ڈرنا! نہ محنت سے ڈرنا
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

مشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
محکمہ	حکم کرنے یا دینے کی جگہ، سرشت، دربار، ڈپارٹمنٹ
تربیت	پرورش، پرداخت، تعلیم وتہذیب
وابستہ	بندھا ہوا، متعلق، ملازم، نوکر
نفسیات	انسان کے نفس یا دماغ سے متعلق باتیں
اصناف	صنف کی جمع یعنی مختلف قسمیں یا طرحیں
طبع آزمائی	طبیعت کی آزمائش، ذہانت کا امتحان
تخلیق	پیدائش، کسی مصنّف یا شاعر کا طبع زاد فن پارہ
دُنیائے فانی	وہ عالم یا کائنات جسے ختم ہونا ہے۔
کُوچ کرنا	سفر کرنا، وفات پانا، رخصت یا وداع ہونا
نمائندہ	ترجمانی کرنے والا یا والی
صداقت	سچّائی، خلوص، وفاداری، ثبوت، گواہی
خطا	قصور، گُناہ، جُرم، بھوُل چوُک
عہد	وقت، زمانہ، سال
عینِ راحت	آرام اور سُکون کے مطابق
نعمت	مال ودولت، ثروت، بخشش
دریا اُترنا (محاورہ)	دریا کا پانی کم ہونا، دریا کا گھٹنا

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ نظم ''بہادر بنو'' کس شاعر کی تخلیق ہے؟

۲۔ سورج نرائن مہؔر کس محکمے سے وابستہ تھے؟

۳۔ سورج نرائن مہؔر کی تعلیم و تربیت کس شہر میں ہوئی ؟

۴۔ سورج نرائن کے جوہر کس میدان میں کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ سورج نرائن مہؔر کا سنِ ولادت و وفات لکھیے ۔

۶۔ سورج نرائن مہؔر نے بچّوں کے لیے لکھی نظموں میں کن پہلوؤں کو ملحوظ رکھا؟

۷۔ نظم نگاری کے علاوہ سورج نرائن مہؔر نے کن کن اصناف میں طبع آزمائی کی؟

۸۔ سورج نرائن مہؔر کی نظمیں کس قسم کی مثالیں پیش کرتی ہیں؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ نظم ''بہادر بنو'' کے آخری بند کا مطلب لکھیے ۔

۱۰۔ نظم ''بہادر بنو'' کا خلاصہ لکھیے ۔

۱۱۔ نظم ''بہادر بنو'' سے آپ کو کیا پیغام ملتا ہے؟

۱۲۔ سورج نرائن مہؔر کی سوانح لکھتے ہوئے اُن کی شاعری کی چند اہم خصوصیات لکھیے ۔

خدادادخاں مونسؔ

محمد خدادادخاں نام،اور مونسؔ تخلص ہے۔حلقۂ شعروادب میں کے۔ڈی۔خان کے نام سے مشہورومعروف ہیں۔۱۹۳۸ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم جے پور میں حاصل کی۔بعد ازاں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے بی۔ایس۔سی اور ڈی اسٹیٹ کیا۔ پھر راجستھان یونی ورسٹی جے پور سے ایل ایل بی اور کرسچین میڈیکل کالج سے ڈی۔ایم۔آر۔ایس۔سی۔کی ڈگری امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔حکومت راجستھان کے شفا خانوں میں میڈیکل ریکارڈس کی تیاری کا منصوبہ آپ ہی کا بنایا ہوا ہے۔۱۹۹۶ء میں راجستھان ایڈمنسٹریٹیو سروس میں (R.A.S.) سے ریٹائر ہوئے اور اجمیر میں سکونت اختیار کی۔اپنی ادبی صلاحیتوں کے سبب ملازمت کے دوران آپ ڈائرکٹر مولانا آزادعربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،ٹونک،رجسٹرار،ایم ڈی۔ایس۔یونی ورسٹی اجمیر اور ناظم،درگاہ خواجہ صاحبؒ اجمیر کے عہدوں پر فائز رہے۔۱۹۷۹ء میں راجستھان اردو اکادمی کی تشکیل ہوئی تو حکومت نے مونسؔ صاحب کو اس کا بانی سیکریٹری بنایا۔اکادمی سے سہ ماہی رسالہ ''نخلستان'' بھی آپ نے ہی شروع کیا۔اور عرصۂ دراز تک اس کے مُدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔شاعری میں مونسؔ نے اپنے والد محمد ایوب خاں فضاؔ سے ہی اصلاح لی۔فضاؔ صاحب کا شمار اساتذہ میں ہوتا تھا۔انہوں نے مولوی اشفاق رسول جوہرؔ شاگرد انورؔ دہلوی کے علاوہ نواب احمد مرزا خاں آگاہؔ،شاگرد غالبؔ سے تلمذ حاصل کیا تھا۔اس طرح مونسؔ صاحب اب راجستھان میں سلسلۂ غالبؔ کی آخری کڑی ہیں۔بیسوی صدی کے نصف آخر میں راہیؔ شہابی اور خداداد خاں مونسؔ نے اپنی نظم گوئی سے راجستھان کا نام

پورے ملک میں روشن کیا۔

موجودہ دور میں نہ صرف راجستھان کے نمائندے کی حیثیت سے اردو شعر و ادب کی خدمات میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں بلکہ آپ کا شمار ہندوستان کے بہترین تاریخ گو شعرا میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں نعت، سلام و مناقب، غزلیات اور دیگر اصنافِ سخن پر مونسؔ صاحب کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور ادبی خدمات پر پی ایچ۔ڈی۔ کا تحقیقی مقالہ بھی لکھا جا چکا ہے۔ ان کی اہم مطبوعہ تخلیقات مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) شعری تخلیقات

(۱) منظوم ترجمہ ۱۹۹۲ء ترجمان الفرید (پنجابی سے اردو میں منظوم ترجمہ)

(۲) مشکٰوۃ التاریخ ۲۰۰۸ء (فن تاریخ گوئی)

(۳) سعادتِ کبریٰ ۲۰۱۱ء (مجموعۂ نعت)

(۴) بخشش کی راہوں میں ۲۰۱۲ء (سلام و مناقب کا مجموعہ)

(۵) پُر فضا ۲۰۱۲ء (انتخابِ غزلیات)

(۶) طاقِ نسیاں ۲۰۱۴ء (مجموعہ مراثی، سہرے و رخصتی وغیرہ)

(ب) نثری تخلیقات:

(۱) مونو گراف: شمیم جے پوری ۱۹۹۱ء، مخمور سعیدی ۱۹۹۱ء، احترام الدین شاغلؔ ۱۹۹۳ء، بلرام کھوسلہ واقف ۱۹۹۲، لکشمی نرائن فارغؔ ۱۹۹۱ء

(ج) تحقیقی مقالات:

(۱) دیوان اخگر (منشی عبدالحمید) ۱۹۹۲ء

(۲) کلام جوہر ۱۹۹۲ء

(د) انگریزی تصنیف:

(ا) خواجہ معین الدین چشتی (سماجی و تعلیمی اہمیت) مع اردو ہندی ترجمہ

(س) بکھرے ہوئے اوراق (مجموعہ مضامین ومقالات) ۲۰۱۶ء

(ہ) باقیات (غزلیات ومنظومات کا مجموعہ) زیرِ طبع

زیرِ نظر نظم ''تعلیمِ نسواں'' کے ذریعہ شاعر نے عورتوں کی تعلیم کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ عورتوں کی تعلیم سے ہی ہماری قوم اور ملک کی ترقی ممکن ہوسکتی ہے۔

خداداد خاں مونسؔ

تعلیمِ نسواں

بیڑیاں ٹوٹیں غلامی کی ہوئے آزاد ہم
کتنی تیزی سے ترقی کر رہا ہے یہ جہاں
آندھیوں کے زور میں یوں تو جمائے ہیں قدم
قوم کی یہ مائیں بہنیں بیٹیاں مجبور ہیں
ان کو بھی حق ہے انھیں خوشحال ہونا چاہیے
گود میں اُن کی نئی نسلیں پلیں گی ہند کی
اِس قدر غفلت نہ برتو آنے والے دور سے
بیٹیوں کو قوم کی آگے بڑھانا چاہیے

ہند والو! کیا سبب ہے پھر بھی ہیں ناشاد ہم
ہاں مگر اب بھی بہت پیچھے ہے یہ ہندوستاں
علم کے میدان میں لیکن بہت پچھڑے ہیں ہم
آج بھی تعلیم کی دنیا سے کوسوں دور ہیں
علم کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیے
ان کے ہاتھوں ہی نئی شمعیں جلیں گی ہند کی
دوستو! کرنا ہے کچھ تعلیم نسواں کے لیے
کل کے بھارت ورش کی قسمت بنانا چاہیے

دوستو! آؤ کریں سب مل کے تعمیر وطن
ہم لکھیں گے اپنے ہی ہاتھوں سے تقدیرِ وطن

مشکل الفاظ اوران کے معنی

الفاظ	معنی
تعلیمِ نسواں	عورتوں کی تعلیم
بیڑیاں	زنجیریں
سبب	وجہ
ناشاد	غمگین، رنجیدہ
غفلت	لاپرواہی، غلطی
تعمیرِ وطن	بمعنی وطن کی ترقی، وطن کو سنوارنا

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

ا۔ تعلیم نسواں کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ نظم تعلیم نسواں کے شاعر کا نام بتایئے۔

۳۔ اس نظم میں شاعر کس سے مخاطب ہے؟

۴۔ ہم ہندوستانی اب تک کس میدان میں پچھڑے ہوئے ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ اس نظم میں شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟

۶۔ ہندوستان کیسے ترقی کر سکتا ہے؟

۷۔ اس نظم کے شاعر خداداد خاں مونسؔ کی کوئی تین مطبوعہ کتابوں کے نام بتایئے۔

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتایئے۔

تعلیم نسواں۔ غفلت۔ ناشاد۔ سبب۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۱۰۔ اس نظم کے شاعر کے حالاتِ زندگی بیان کیجیے۔

۱۱۔ عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۱۲۔ خداداد خاں مونسؔ صاحب کی مختلف تصانیف کی ایک فہرست مرتب کیجیے۔

مخمؔور دہلوی

مخمؔور دہلوی کا دہلی کے غزل گوشعراء میں بڑا نام ہے۔ان کا نام فضل الٰہی تھا اور مخمؔور تخلّص ۔آپ کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں دہلی میں ہوئی۔مخمؔور کا بچپن بہت تکلیف میں گزرا۔آپ نہایت سادہ مزاج ہونے کی وجہ سے تکالیف برداشت کرتے تھے۔ملازمت کے سلسلے میں ریاست دہلی سے پٹودی گئے جہاں انھوں نے محمد افتخار علی خاں والی ریاست پٹودی کے یہاں ملازمت بھی کی۔لیکن ۱۹۴۷ء میں دہلی لوٹ آئے۔

مخمؔور نے غزل کے میدان میں خوب طبع آزمائی کی۔اُن کے کلام میں رندی اور سرمستی کے ساتھ ہی سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔انھوں نے کئی موضوعات پر نظمیں بھی لکھیں۔"کُلیات مخمؔور" اِن کی مشہور تصنیف ہے۔

اِس نظم میں مخمؔور دہلوی نے یوم آزادی کے جشن کی بڑی خوبصورت منظر نگاری کی ہے۔ملک آزاد ہونے سے ہر طرف خوشی کا ماحول ہے اور نا اُمیّدی اور دُکھ کا زمانہ بیت گیا ہے۔یہ نظم مُخمّس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔پانچ مصرعوں کے بند کی نظم کو مُخمّس کہتے ہیں۔

مخمورؔ دہلوی

جشنِ آزادی

چمن میں بُلبُلیں ہر سمت چہچہاتی ہیں
فضائیں نغمۂ دِل کش ہمیں سناتی ہیں
ہوائیں آج ترانے خوشی کے گاتی ہیں
کِھلے ہیں پھول بھی،کلیاں بھی مسکراتی ہیں
بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

نِشاط و عیش کا آئینہ دار آہی گیا
وہ زندگی کے چمن پر نکھار آہی گیا
وہ جس کے آنے کا تھا انتظار آہی گیا
وہ جھوم جھوم کے ابر بہار آہی گیا
بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

جوغم کے ساتھ تھی مہمان، وہ برات گئی
جو دن کو رات بناتی رہی، وہ رات گئی
ہجومِ یاس گیا تلخیِ حیات گئی
جُھکے نہ غیر کے آگے، نہ اپنی بات گئی
بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

چمک رہے ہیں ستارے، چراغ جل تو چکے
اندھیری رات کے سایے تمام ڈھل تو چکے
کِھلے ہیں پھول، فضاؤں کے رخ بدل تو چکے
کھٹک رہے تھے جو کانٹے وہ سب نکل تو چکے

بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

اُٹھاؤ سازِ طرب، زندگی کی بات کرو
اَلم کو دل سے بھلاؤ، خوشی کی بات کرو
اندھیرا جاچکا، اب روشنی کی بات کرو
چمن میں پھول کِھلاؤ، کلی کی بات کرو

بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

بنا ہے زینتِ دستوٗر جشنِ آزادی
ہے چشمِ شوق کو منظور جشنِ آزادی
ہوا ہوں دیکھ کے مسرور جشنِ آزادی
نظر نواز ہے مخموٗر جشنِ آزادی

بہار آئی ہے دیکھو بہار آئی ہے

مُشکل الفاظ اور اُن کے معنی

الفاظ	معنی
جشن	خوشی کا جلسہ۔خوشی
سِمت	طرف۔جانب۔رُخ
چمن	باغ
نشاط	خوشی
ابر	بادل
ہجومِ یاس	غموں سے گِھرا ہوا۔نا اُمیّدی
تلخی	کڑواہٹ۔تُرشی
حیات	زندگی
طرب	خوشی۔شادمانی۔انبساط
الم	دُکھ۔غم۔رنج
زینت	خوبصورتی۔سجاوٹ۔آرائش
دستور	آئین۔قانون۔رسم۔رواج
چشم	آنکھ
مسرور	خوش۔شادماں۔آنند
نظرنواز	نظر کو اچھّا لگنے والا
چشمِ شوق	لگن۔چاہ
آئینہ دار	سنگار کرنے والا

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ نظم جشنِ آزادی کے شاعر کون ہیں؟

۲۔ چمن میں ہر سمت کون چھچہاتی ہیں؟

۳۔ رات کا متضاد لکھیے۔

۴۔ ہم آزادی کا جشن کس تاریخ کو مناتے ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ نظم ''جشن آزادی'' کے پہلے بند کی تشریح کیجیے۔

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے

چمن۔ سمت۔ الم۔ زینت۔حیات۔

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

غم۔ اندھیرا۔ پھول۔ آج۔

۸۔ مُخمّس کسے کہتے ہیں؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ ''نشاط وعیش کا آئینہ دار آ ہی گیا'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۱۰۔ ''اندھیرا جا چکا اب روشنی کی بات کرو'' یہاں اندھیرا اور روشنی کن چیزوں کی علامت ہیں؟

۱۱۔ نظم کے آخری بند میں شاعر نے جشنِ آزادی سے مُتعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

۱۲۔ مخمور دہلوی کی شاعری کی خصوصیات تحریر کیجیے۔

پروفیسر پریم شنکر شریواستو

پریم شنکر شریواستو کا نام راجستھان کے ادبی حلقوں میں خاصہ مشہور ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۸راگست ۱۹۱۸ءکو اُجّین (ایم۔پی) میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد گیاپرشادشریواستو مہاراجہ جھالاواڑ کے صلاح کاراورمشہوروکیل تھے۔آپ کے دادامُنشی کنہیالال شریواستواردوفارسی کے بڑے عالم تھے۔ وہ مہاراجہ بھوانی سِنگھ والیِ جھالاواڑ کی دعوت پرمرادآباد سے جھالاواڑ آبسےاورمہاراجہ بھوانی سنگھ کے مشیر خاص رہے۔

پریم شنکر شریواستو کی ابتدائی تعلیم جھالاواڑ میں ہوئی میٹرک تک کی تعلیم ہسبنڈ میموریل اسکول اجمیر میں ہوئی۔ایم۔اے انگریزی میں لکھنؤ سے کیا۔۲۰ جولائی ۱۹۴۳ءکو جودھپور کے جسونت کالج میں انگریزی کے لکچرر کے عہدے پرتقرر ہوا، جہاں وہ ۱۹۵۴ءتک تعینات رہے۔۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ءتک وہ ایس۔ایم۔کالج جودھپور میں رہے۔بعدازاں ۹ سال گورنمنٹ کالج اجمیر اور ۵ برس ڈونگر کالج بیکانیر میں درس وتدریس کا کام انجام دیا۔۲۰ مئی ۲۰۰۴ءکو جودھپور میں آپ کا انتقال ہوا۔

پریم شنکر اُردو کے مشہور شاعر اور طنزمزاح نگار تھے۔آپ راجستھان ساہتیہ اکادمی اور راجستھان اردو اکادمی کے رُکن بھی رہے۔اردو اکادمی کا رسالہ ''نخلستان'' آپ کی ادارت میں ۱۹۶۴ءمیں جاری ہوا ''راجستھان کے موجودہ اردو شاعر'' اور ''راجستھان کے اردو طنزومزاح نگار'' آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

زیرنظرنظم ''ہمارا راجستھان'' میں شاعر نے راجستھان کی تاریخ ،تہذیب اورعظمت سے اپنی

عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ راجستھان کے تاریخی مقامات، مذہبی روایات اور زیارت گاہوں کا عقیدت و احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہاں کی ندیوں، پہاڑوں اور باغات کی دلچسپ انداز میں منظر نگاری کی ہے۔ راجستھان کے بہادروں کے کارناموں کو بیان کیا ہے۔ یہ نظم قومی ایکتا اور بھائی چارے کا پیغام دیتی ہے۔

اس نظم میں تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ کلام میں کسی قصّے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔ مُومل، میراں، سانگا اور پرتاپ کے قصّے اس نظم میں تلمیح کے بطور بیان کیے گئے ہیں۔

پروفیسر پریم شنکر شری واستو

ہمارا راجستھان

قربان اس پر دل میرا، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخرِ ہندوستان ہے
ہے اس کا ہر پتّھر حسیں، دیوار و در اس کے حسیں
کھنڈ ہر بھی اس کے ہیں حسیں، گویا کہ ہر ذرّہ حسیں
سجدے میں جھکتی ہے یہاں میری جبیں سب کی جبیں
قربان اس پر دل میرا ، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخرِ ہندوستان ہے
چہرے پہ اس کے ہے نمک، ماتھے پہ اس کے ہے چمک
پیروں میں پایل کی جھنک، بولی میں اس کے ہے لچک
آغوش اس کی گرم ہے، آنکھوں میں اس کی شرم ہے
ہے میرے دل میں یہ بسا، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخر ہندوستان ہے
ہے خواجہ کی درگاہ یہاں، شری ناتھ کا دوارا یہاں
ایک لِنگ کی مورت یہاں ہے برہمّا کا مندر یہاں

ہندو، مسلماں سب یہاں رہتے ہیں ہوکر ایک جاں
ہے پاک اس کی سرزمیں، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخرِ ہندوستان ہے
اب تک مجھے سب یاد ہے، دلِ میں میرے آباد ہے
مومل کی رنگیں داستاں، میراں کے گیتوں کی زباں
بے خوف ہمّت سانگا کی، کیا آن تھی پرتاپ کی
چیتک کی ٹاپیں یاد ہیں، دل میں میرے آباد ہیں
ہے پیاری ان کی داستاں، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخرِ ہندوستان ہے
ہاں یاد ہے سب یاد ہے، دل میں میرے آباد ہے
وہ ویر درگا داس بھی ہے ناز جس پر سب کو ہی
جے مل و پتّا یاد ہے، راٹھور امر سنگھ یاد ہے
جوہر کی رسمیں یاد ہیں، راکھی کے ڈورے یاد ہیں
ہاں یاد ہے سب یاد ہے دل میں میرے آباد ہے
ہے پیاری اس کی داستاں ، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی ، یہ فخرِ ہندوستان ہے
کیا شانِ قدرت ہے یہاں، کیا حسنِ قدرت ہے یہاں
کیا خوبصورت گھاٹیاں، پربت ہیں جس کے پاسباں
ہیں ریت کے ٹیلے یہاں کیسے گھنے جنگل یہاں

گھوگھڑ کا جھرنا ہے یہاں، ہے نور چشمہ بھی یہاں
بل کھاتی ندیاں دیکھیے، چاندی سی جھیلیں دیکھیے
پانی میں امرت ہے مِلا، مٹّی میں سونا ہے بھرا
کنکر میں موتی ہیں چھُپے، کنکر میں ہیرے ہیں دبے
قدرت ہے اس پہ مہرباں، یہ میرا راجستھان ہے
ہے پیار اس سے سب کو ہی، یہ فخرِ ہندوستان ہے

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

الفاظ	معنی
فخرِ ہندوستان	جس پر ہندوستان کو ناز ہو
جبیں	پیشانی
در	دروازہ۔ چوکھٹ
شانِ قدرت	قدرت کی شان
آغوش	گود۔ بغل
حسنِ قدرت	قدرت کی خوبصورتی
داستاں	قصّہ۔ کہانی۔ حکایت
جوہر	خوبی
پاسباں	محافظ۔ رکھوالا

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

مندرجہ ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے بھریئے۔

۱۔ قربان اس پر دل میرا یہ میرا..................................ہے۔

(راجستھان / ہندوستان)

۲۔ ہے پیارا اس سے..............................یہ فخرِ ہندوستان ہے۔

(سب کو ہی / مجھ کو ہی)

۳۔ مُومل کی رنگین..................میرا کے...................کی زباں۔

(گیتوں / داستاں)

۴۔ بے خوف ہمت......................کی، کیا آن تھی......................کی۔

(پرتاپ / سانگا)

مختصر سوالات:

۵۔ اجمیر اور ناتھ دوارا کیوں مشہور ہیں؟

۶۔ پرتاپ کون تھے؟

۷۔ نظم کے پہلے بند کا مطلب لکھیے؟

۸۔ شاعر نے راجستھان کے کن بہادروں کا ذکر کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ نظم ''ہمارا راجستھان'' میں شاعر نے کن کنِ مقامات کا ذکر کیا ہے؟

۱۰۔ میرا کیوں مشہور ہے؟

۱۱۔ پروفیسر پریم شنکر کی سوانح عمری لکھتے ہوئے اُن کے کلام کی خوبیاں بیان کیجیے۔

۱۲۔ نظم ''ہمارا راجستھان'' کا خلاصہ لکھیے۔

میر تقی میرؔ

اردو غزل کے سب سے عظیم شاعر میرؔ کا نام میر تقی اور میرؔ ہی تخلص تھا ۔۱۱۳۵ھ مطابق۲۳۔۱۷۲۲ء کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر علی متّقی تھے جو صوفی منش اور درویش صفت بزرگ تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی صوفیانہ تعلیم دینا چاہتے تھے۔ میرؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی کی نگرانی میں ہوئی۔ لیکن بدقسمتی سے جب میرؔ کی عمر محض دس برس تھی، اُن کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سوتیلے بھائی نے جائیداد پر قبضہ کرلیا اور انھیں بے حد پریشان کرنا شروع کر دیا۔ میرؔ اپنے بھائی کے ظلم و تشدد سے تنگ آ کر بچپن میں ہی گھر چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ یہاں صمصام الدولہ نے ان کی پرورش کی۔ لیکن نادر شاہ کے حملے کے بعد وہ دل برداشتہ ہوکر واپس آگرہ آ گئے۔ لیکن یہاں آ کر پھر وہی ظلم و ستم برداشت کرنا پڑے۔ میرؔ نے ایک بار پھر عاجز آ کر دہلی کا رُخ کیا۔ اور یہاں آخر کار اپنے سوتیلے ماموں اور اردو کے مشہور شاعر سراج الدین خاں آرزوؔ کے یہاں ٹھہرے۔ بدقسمتی اور پریشانیوں نے یہاں بھی میرؔ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اب ماموں اور ممانی دونوں نے میرؔ پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیے۔ انھیں کئی کئی دنوں تک بھوکے رکھا جاتا اور ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جاتا۔ ایسے اذیت ناک ماحول سے تنگ آ کر میرؔ نے پیٹ پالنے کے لیے کئی ملازمتیں کیں۔ لیکن میرؔ کے نصیب میں اب بھی راحت اور سکون میسر نہ تھا۔ اب دہلی پر احمد شاہ ابدالی نے حملہ کر کے دہلی میں لوٹ قتلِ عام اور غارت گری برپا کر دی۔ دہلی کے بڑے بڑے رئیس اور شریف لوگ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ میرؔ نے بھی اسی پریشانی کے عالم میں دہلی چھوڑ کر لکھنؤ کا رُخ کیا۔ اس دور میں لکھنؤ میں امن و امان اور عیش و نشاط کا ماحول تھا۔ میرؔ لکھنؤ کے نواب آصف الدولہ کی دعوت پر ۱۷۸۲ء میں لکھنؤ چلے آئے۔ اور آخر دم

تک یہیں رہے۔ ۲۰ ؍ستمبر ۱۸۱۰ء مطابق ۲۰ ؍شعبان ۱۲۲۵ھ کو میرؔ کا انتقال ہوا۔

میرؔ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ان کی تمام عمر پریشانیوں اور ظلم و ستم برداشت کرنے میں گزری ۔ لہٰذا ان کی شاعری پر انھیں حالات کا عکس پڑنا لازمی تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ فطرتاً خاموش طبع اور نازک مزاج اور خوددار طبیعت کے مالک تھے۔ زمانے کے حالات اور خود پر ہوئے ظلم و ستم کا نفسیاتی اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں درد و غم، آہ و بکا، سوز و گداز، محرومی و ناکامی، ہجر و یاس، اور دنیا سے بیزاری کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ جو ان کی تمام شاعری میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میرؔ کی بعض غزلوں میں زندگی کی تڑپ، امید اور سرمستی اور لطف و کیف کے جذبات کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو غزل کی تمام خصوصیات کے ساتھ میرؔ کی شاعری بے عیب اور عظیم ترین ہے۔ انہوں نے شاعری میں زبان نہایت سادہ، آسان اور بامحاورہ استعمال کی ہے۔

میرؔ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کی ہے۔ اردو میں ان کے چھ دیوان مشہور ہیں۔ جن میں بہت بڑی تعداد غزلوں کی ہے۔ میرؔ نے اردو میں غزلیات کے علاوہ مثنویاں اور مرثیے بھی لکھے۔ قصیدے بہت کم لکھے۔ ان کی مثنویوں میں ’’خواب و خیال‘‘، ’’شعلۂ عشق‘‘، ’’دریائے عشق‘‘، ’’معاملاتِ عشق‘‘، ’’ہولی‘‘، ’’ساقی نامہ‘‘، ’’شکارنامہ‘‘ وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ ’’کلیاتِ میرؔ‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔ اردو غزل گوئی میں آج تک ان کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ میرؔ کی ہمہ گیر شخصیت اور اردو کلام کی وجہ سے انھیں ’’خدائے سخن‘‘ اور ’’امامِ غزل‘‘ جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔

میر تقی میرؔ

غزل (۱)

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مونس ہجراں
سو وہ مدّت سے اب نہیں آتا

دل سے رُخصت ہوئی کوئی خواہش
گِریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہم دم!
پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

غزل (۲)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے　　میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے　　ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی　　حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
گئی عمر دربندِ فکرِ غزل!　　سو اِس فن کو ایسا بڑا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

مشکل الفاظ اوران کے معنی

غزل ۔۱

معنی	الفاظ
آنسو	اشک
خون	لہو
جدائی کا ساتھی	مونسِ ہجراں
رونا	گِریہ
دوست، ساتھی	ہم دم
بات،شاعری	سُخن

غزل ۔۲

معنی	الفاظ
فقیروں کی طرح، درویشانہ	فقیرانہ
آواز	صدا
پیشانی	جبیں
عبادت کا حق	حق بندگی
ہنر	فن
دنیا	جہاں

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ میرؔ کا پورا نام کیا تھا؟

۲۔ میرؔ کو کن القابات سے یاد کیا جاتا ہے؟

۳۔ لفظ 'اشک' اور 'لہو' کے معنی بتائیے؟

۴۔ میرؔ کے مطابق فقیر کیا دعا کرتے ہیں؟

مختصر سوالات:

۵۔ میرؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتائیے؟

مونسِ ہجراں۔ گِریہ۔ جبیں۔ حقِ بندگی۔

۷۔ ؂ دل سے رُخصت ہوئی کوئی خواہش

گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

میرؔ کے مذکورہ بالا شعر کا مطلب لکھیے۔

۸۔ غزل کے فن کو میرؔ نے کس طرح بڑھایا؟

تفصیلی سوالات:

۹۔ میرؔ کے حالاتِ زندگی پر مختصراً روشنی ڈالیے۔

۱۰۔ میر تقی میرؔ کی شاعرانہ خوبیوں (غزل گوئی) پر ایک نوٹ لکھیے۔

۱۱۔ میرؔ کی غزل ۱؎ کے مندرجہ ذیل اشعار کے مطلب لکھیے۔

(i) اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا — لہو آتا ہے جب نہیں آتا

(ii) جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی — حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

(iii) کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ — جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

۱۲۔ غزل کسے کہتے ہیں؟ غزل کی تعریف اور تاریخ پر مختصراً نوٹ لکھیے۔

مرزا غالبؔ

مرزا غالبؔ کا پورا نام اسداللہ خاں اور غالبؔ تخلص تھا۔ بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ لہٰذا پہلے اسدؔ تخلص کرتے تھے بعد میں تخلص بدل کر غالبؔ اختیار کیا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے دربار سے نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظامِ جنگ جیسے معزز خطابات ملے۔ غالبؔ ۸؍ رجب ۱۲۱۲ھ مطابق ۲۷؍ دسمبر ۱۷۹۷ء کو اکبرآباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ خاں بیگ اور والدہ عزت النساء بیگم تھیں۔ جن کا تعلق سلجوقی ترک خاندان سے تھا۔ ان کے دادا مرزا قوقان بیگ مغل بادشاہ شاہ عالم کے زمانے میں ترکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور آگرہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جب غالبؔ کی عمر تقریباً پانچ چھ برس تھی تب ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چچا مرزا نصراللہ بیگ نے غالبؔ کی پرورش کی۔ جو اکبرآباد (آگرہ) کے صوبے دار تھے۔ غالبؔ جب ۹۔۸ برس کے ہوئے تو شفیق اور مہربان چچا نصراللہ بیگ کا بھی انتقال ہو گیا۔ چچا کی جاگیر کے معاوضے میں سات سو روپیہ سالانہ پینشن مقرر ہوئی۔ سر پر کسی بزرگ کا سایہ نہیں ہونے کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم نہیں ہو سکی۔ پھر بھی ابتدائی زمانے میں انھوں نے فارسی زبان کی تعلیم مولوی محمد معظم سے حاصل کی۔ محض گیارہ برس کی عمر سے ہی غالبؔ نے شاعری شروع کر دی۔ زمانے کے حالات کے پیشِ نظر آگرہ چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ اور بقیہ زندگی یہیں بسر کی۔ دہلی آ کر انھیں ہمیشہ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیشہ تنگ دست اور پریشان حال رہے۔ دہلی میں علم و ادب کا ماحول تھا۔ یہاں آ کر ان کی ملاقات مولانا فضلِ حق خیرآبادی سے ہوئی تو ان کے مزاج میں بہت بڑی تبدیلی آئی اور اب غالبؔ نے علم و ادب کی جانب باقاعدہ توجہ دینا شروع کیا۔ بادشاہ بہادر شاہ نے پچاس روپیہ ماہوار پینشن مقرر کر دی۔ لیکن اتنی کم پینشن سے غالبؔ کا گزر بسر مشکل تھا۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ پینشن بھی بند ہوگئی۔ یہ دور غالبؔ پر بہت سخت گزرا کچھ دنوں بعد نواب رام پور نے سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی لیکن مرزا کے لیے یہ بھی نا کافی تھے۔ غالبؔ نے اپنی بند ہوئی پینشن جاری کروانے کے لیے کلکتہ اور لکھنؤ وغیرہ کے سفر بھی کیے۔ لہٰذا ۱۸۶۰ء میں بند ہوئی پینشن پھر بحال ہو گئی۔ لیکن اب غالبؔ کی صحت بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔ کئی برسوں بیماری کے سبب گھر میں پلنگ پر پڑے رہے اور آخر کار ۳/ذی القعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵/فروری ۱۸۶۹ء بروز پیر دہلی میں ہی انتقال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے قریب ہی دفن کیے گئے۔

غالبؔ شگفتہ مزاج، بذلہ سنج، باوضع اور کثیر الاحباب شخص تھے۔ خودداری، رواداری، فیاضی اور اخلاص ان کے مزاج میں سمایا ہوا تھا۔ وہ اردو و فارسی دونوں زبانوں کے زبردست شاعر اور انشا پرداز تھے۔

فارسی زبان میں ان سے بڑا شاعر ہندوستان میں شاید ہی کوئی ہوا ہو۔ اردو شعرا میں بھی میر تقی میرؔ کے بعد اردو غزل کے میدان میں غالبؔ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ اُن کے کلام میں شاعری کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ ندرتِ خیال، سادگی و پُر کاری، سلاست و روانی، فلسفہ و فکر، جدّت طرازی، اختصار ان کی شاعری کا جوہر تھیں۔ عام روایتِ شاعری سے ہٹ کر انھوں نے اپنا نیا اندازِ بیان ایجاد کیا۔

غالبؔ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔ وہ شاعری کی طرح ہی نثر کے میدان میں بھی یکتا اور منفرد نظر آئے۔ فارسی میں ''کلیاتِ نظم فارسی''، ''لطائفِ غیبی''، ''تیغِ تیز''، ''قاطعِ بُرہان''، ''پنج آہنگ''، ''سبدِ چین''، ''مہر نیم روز'' اور ''دستنبو'' وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ اردو شاعری میں ''دیوانِ غالبؔ'' اور اردو نثر میں ''عودِ ہندی''، ''اردوے معلیٰ'' (اردو خطوط کے مجموعے) ان کا سرمایۂ ہیں۔ جو غالبؔ کی عظمت کے ثبوت ہیں۔

مرزا غالبؔ

غزل (۱)

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
ایک تماشا ہوا، گِلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں؟
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی ، گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے ، کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما
کام گر رُک گیا، روا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ، لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

غزل (۲)

بس کہ دشوار ہے، ہر کام کا آساں ہونا	آدمی کو بھی میسّر نہیں، انساں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی	درو دیوار سے ٹپکے ہے، بیاباں ہونا
جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے	جو ہر آئینہ بھی، چاہے ہے مژگاں ہونا
کی مرے قتل کے بعد،اُس نے جفا سے توبہ	ہائے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف! اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت، غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو، عاشق کا گریباں ہونا

مشکل الفاظ اور ان کے معنی

غزل۔۱

الفاظ	معنی
منّت کشِ دوا	دوا کا احسان مند
رقیب	دشمن
گِلا	شکوہ، شکایت
شیریں	میٹھا
خبرگرم	شہرت
بندگی	عبادت
غزل سرا	غزل پڑھنے والا

غزل۔۲

الفاظ	معنی
دُشوار	مشکل
گِریہ	رونا
کاشانہ	مکان، گھر

ازبس کہ	خودبخود
مژگاں	پلکیں
جفا	ظلم
زودپشیماں	جلدشرمندہ ہونا
حیف	افسوس

مشقی سوالات

مختصر ترین سوالات:

۱۔ مرزا غالبؔ کا پورا نام بتایئے۔

۲۔ مرزا غالبؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۳۔ لوگ غالبؔ کو کیا کرنے کے لیے کہتے ہیں؟

۴۔ غالبؔ کے کاشانے (گھر) کی خرابی کون چاہتا ہے؟

مختصر سوالات:

۵۔ مرزا غالبؔ کو کن کن القابات سے نوازا گیا؟

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتایئے۔

منّت کشِ دوا۔ گِلا۔ کاشانہ۔ حیف۔

۷۔ دردمنّت کشِ دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

مرزا غالبؔ کے مذکورہ شعر کا مطلب لکھیے۔

۸۔ مرزا غالبؔ کے اردو دیوان اور ان کی کوئی دو نثری کتابوں کے نام بتایئے۔

تفصیلی سوالات:

۹۔ مرزا غالبؔ کے حالاتِ زندگی مختصراً بیان کیجئے۔

۱۰۔ مرزا غالبؔ کی شاعرانہ خوبیوں پر روشنی ڈالیے۔

۱۱۔ مرزا غالبؔ کی غزل کے مندرجہ ذیل اشعار کے مطلب لکھیے۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے، کہ حق ادا نہ ہوا

بس کہ دشوار ہے، ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسّر نہیں، انساں ہونا

کی مرے قتل کے بعد، اُس نے جفا سے توبہ ہائے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۱۲۔ اپنے استاد کی مدد سے نصاب سے علاحدہ غالبؔ کے چند اشعار لکھیے۔